نوحۂ زندگی
تصنیف
مصور غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ
رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے
عصمت بکڈپو دہلی سے شائع کیا
نومبر
۱۹۳۱

تصانیف فخر نسوان ہند محترمہ خاتون اکرم جنت مکانی

محترمہ خاتون اکرم تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کی محبوب ترین انشاپرداز تھیں جن کی مضمون نگاری کا ہندوستا بھر میں ڈنکا بج چکا ہے جن کے فلسفیانہ خیالات نے جن کے درد و اثر میں ڈوبے ہوئے طرز تحریر نے بڑے بڑے قا بل مردوں سے خراج تحسین وصول کیا تھا اور جن کی تحریریں دیکھ کر مشہور مصنفین بھی عش عش کرتے تھے مشہو روزنامہ کرانیکل کی رائے ہے "مرحومہ خاتون اکرم نہایت اعلیٰ درجہ کا ادبی مذاق رکھتی تھیں اور اپنے عمیق خیالات و جذبات کو نہایت سادہ و پرزور انداز مگر مختصر الفاظ میں ادا کرنے کی قدرت رکھتی تھیں" علیگڈھ میگزین لکھتا ہے "ان کا طرز بیان پراثر اور دلنشین ہوتا ہے اور وہ نہایت خوبی کیساتھ اپنے احساسات کو الفاظ کی صورت میں پیش کرسکتی تھیں" رسالہ نور جہاں نے لکھا تھا "مرحومہ خاتون اکرم چھوٹی سی عمر میں نہایت دانشمند وسیع تجربہ رکھنے والی خاتون تھیں علمی ادبی قابلیت کیساتھ خدا نے انکو درد کی بے بہا دولت سے مالا مال رکھا تھا جس کی وجہ سے اپنی پرزور تحریروں میں انسانی جذبات کی تصویر نہایت ہی خوبی و خوش اسلوبی سے کھینچتی تھیں"

جمال ہمنشین

خاتون اکرم مرحومہ کے بے مثل ادبی مضامین کا شاندار مجموعہ

فانی زندگی۔ تغیرات زندگی۔ نیرنگی زمانہ۔ عبرت گاہ دنیا۔ موسم بہار۔ قلب غم۔ ساون۔ عید۔ زندوں کی زندہ ہستی۔ کسی کی یاد۔ ہنسی مذاق۔ خو کا دن وغیرہ وغیرہ وہ دلآویز اور موثر مضامین ہیں جن کی عصمت، تہذیب، استانی، شباب۔ اردو میں شائع ہو کر دھوم مچ چکی ہے جمال ہمنشین کے متعلق اخبار ہمدرد لکھتا ہے "ان مضامین میں فلسفہ بہشت کی بو ہے" انڈین ڈیلی میل کی رائے ہے "ان مضامین کی اردو صاف دردوال ہے" زنانہ حرم کی رائے "یہ مضامین بہ لحاظ زبان و خیال نہایت بلند ہیں اور انکی اشاعت زبان پر بڑا احسان ہے" انجمن ترقی اردو کا مشہور سہ ماہی رسالہ لکھتا ہے "ان مضامین کی عبارت بہت فصیح اور سنجیدہ ہے" اخبار وکیل کی رائے "جمال ہمنشین بلاشبہ نسوانی دنیا کے لئے سبق آموز کتاب ہے" اخبار مدینہ کی رائے "مضامین نہایت بلند پایہ ہیں" حضرت علامہ راشد الخیری نے دیباچہ لکھا ہے۔ تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل چکے ہیں۔ آرٹ کاغذ پر رنگین چھپی ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

پیکر وفا

ایک دلآویز نتیجہ خیز افسانہ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ وفا عورت کی خلقت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور شریف بیوی اپنے شوہر کیلئے ایسی قربانیاں کر دکھاتی ہے کہ دنیا حیرت میں رہ جاتی ہے۔ رسالہ ہمایوں کی رائے "یہ ایک کامیاب اور مفید افسانہ ہے جسمیں عورتوں کے ان حقوق کو واضح کیا گیا ہے جس کی تعلیم اسلام نے ہمیں دی ہے" انداز بیان درد انگیز عبارت سادہ و شگفتہ۔ اخبار ریاست لکھتا ہے "طرز بیان اس قدر سادہ صاف اور دلکش ہے کہ تعریف نہیں ہوسکتی" اخبار کشمیر لکھتا ہے "پیرایہ بیان دلگداز ہے" یہ بھی بہترین آرٹ کاغذ پر چھپی ہے۔ بار سوم قیمت آٹھ آنہ

منیجر عصمت دہلی۔

آٹھویں اڈیشن کا دیباچہ

مجھے اس کتاب کو لکھے ہوئے دس سال ہو گئے اس عرصہ میں اصل مقصد کے اعتبار سے یہ کوشش بڑی حد تک کامیاب ہوئی جن خاندانوں میں عورت کا نکاح ثانی بیح مچ معیوب خیال کیا جاتا تھا وہاں دھڑلے سے نکاح ہونے لگے۔ کتاب کی مقبولیت اس سے ظاہر ہے کہ ہزاروں کی تعداد میں چھ سات مرتبہ شائع ہوئی اور اب کہ میاں رازق اسے شائع کر رہے ہیں اشد ضرورت ہے کہ تغیر معاشرت نے جو کمی پیدا کر دی وہ بھی پوری کر دوں۔

جس طرح مرد بیوی کے بعد نکاح ثانی کا حق رکھتا ہے اسی طرح عورت بھی۔ مگر مرد کے نکاح ثانی کے بعد پہلی بیوی کی اولاد سے جو معاملہ دوسری بیوی یعنی بچوں کی سوتیلی ماں کو کرنا پڑتا ہے وہ کچھ ایسا بدنام ہو گیا ہے۔ اگر شفقت بھی کرے تو دیکھنے والوں کو نفرت ہی دکھائی دیتی ہے۔ پھر نفرت تو نفرت ہی ہے دیکھنا یہ ہے کہ شفقت ہو یا نفرت، اسکی ذمہ داری سوتیلی ماں پر کتنی ہے۔ اور حقیقی باپ پر کتنی مسلمات اس سے بآسانی انکار نہیں کر سکتے کہ باوجود ترقی تعلیم اور احساس حقوق نسواں کے اب تک مسلمان عورت دور حاضرہ کے مسلمانوں میں اصلی وقعت حاصل نہ کر سکی اسلئے مرنے والی بیوی کے بچوں کی بربادی کا زیادہ تر ذمہ مرد کے سر رہتا ہے۔ سوتیلی ماں کا دامن الزام سے صاف تو نہ ہوگا۔ لیکن اگر اس کی زیادتی ثابت ہو جائے تو بھی یہ وہ زیادتی ہوگی کہ اگر باپ

لاپرواہی نہ کرتا تو سوتیلی ماں یہ زیادتی نہ کرسکتی۔ اور اس کا تدارک باپ کے اختیار سے باہر نہ تھا۔

بڑی خرابی جو ان تمام فسادات کی جڑ ہے وہ یہ ہے کہ مرد دوسری بیوی سے پہلی بیوی کی اولاد کے متعلق غلط توقعات قائم کرتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ یہ فطری طور پر ان بچوں کی خدمت سے معذور ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غلط توقعات سوتیلی ماں کے اخلاقی فرائض کا بھی خاتمہ کردیتی ہیں۔ اگر اس سے یہ امید نہ رکھی جاتی کہ وہ سوکن کے بچے کو دس بجے رات کے کھانا گرم کرکے کھلائیگی تو بہت ممکن تھا کہ وہ دن کے گیارہ بجے کھانا گرم کرکے کھلا دیتی لیکن امید نے اس انسانیت کو بھی برباد کردیا۔

تعجب ہے کہ بچوں کا باپ دوسرا نکاح کرنیکے بعد یہ نہیں سمجھتا اور سمجھ سکتا کہ مرنیوالی بیوی میرے بچوں سے جو سلوک کررہی تھی وہ اسلئے نہیں کہ یہ میرے بچے تھے بلکہ اسلئے کہ اس کے اپنے بچے تھے اگر یہ بچے اسکے نہ ہوتے تو وہ بھی یہی کرتی جو آج سوتیلی ماں کررہی ہے۔ اگر مرد اتنا سمجھ لے اور جائز توقعات قائم کرے تو سوتیا ڈاہ کا ایک بڑی حد تک قلع قمع ہوسکتا ہے۔ یہ ہی کیفیت عورت کی بھی ہے۔ مرد کی طرح وہ بھی یہی سمجھتی ہے کہ سوتیلا باپ ان بچوں کو بھی اپنے بچوں کی طرح رکھیگا مگر یہ توقع چونکہ پوری ہونے کے قابل نہیں ہے اسلئے بیوہ کے بچوں کی بھی سوتیلے باپ کے ہاتھوں کچھ کم مٹی پلید نہیں ہوتی اس لئے بیوہ کا نکاح جس قدر ضروری ہے اسی قدر یتیم بچوں کی پرورش و تعلیم کا معقول انتظام۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو جس طرح مرد نکاح ثانی اور بچوں کی تباہی سے انگشت نما ہوسکتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی دوسرے نکاح اور بچوں کی بربادی سے قابل الزام ٹھہر سکتی ہے۔

ایک قیامت خیز مصیبت مسلمانوں میں یہ پیدا ہورہی ہے کہ نکاح کے وقت

فریقین کی سب سے پہلی خواہش اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان بچوں کی دولت قبضہ میں آجائے۔ مرد چاہتا ہے کہ لڑکی کسی سلطنت کی ملکہ ہو اور لڑکی یا اس کے ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکا کسی ملک کا شہزادہ ہو یہی کیفیت دوسرے نکاح کی ہے اور جب کنواری لڑکی کو ڈھنگ کا بر نصیب نہیں تو بیوہ بیچاری کو کہاں سے ملیگا ہاں اس بیوہ کو جو مالدار ہو قبول کرنے کے واسطے بہت سے مسلمان تیار ہو جائیں گے

ان حالات میں نکاح بیوگان کی تائید حمایت اور کوشش کا یہ منشا نہیں ہے کہ یتیموں کا مال بیوہ کی وساطت سے غیروں کے قبضہ میں پہونچ جائے اسلئے بیوہ کے نکاح کا جب وقت آئے تو وہ خود یا اسکے متعلقین چند ضروری باتوں کو پیش نظر رکھیں،

سب سے پہلے یہ کہ بیوہ اگر بچوں والی ہے تو بچوں کی پرورش تعلیم و تربیت کا قابل اطمینان انتظام ہو جائے انکی جائداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ سوتیلے باپ کی دستبرد سے محفوظ ہے (۳) ماں کی ولایت دوسرے نکاح کے بعد برائے نام بھی باقی نہ رہے یعنی جو کچھ بچوں کے باپ نے چھوڑا ہے اس کا ماں سے واسطہ نہ رہے (۴) بیوہ کا مہر بجائے فرضی دس بیس ہزار روپے کے اس کے بچوں کی پرورش و تعلیم قرار دیا جائے یہ نہ ہو کہ یتیم بچے جب اپنا مال سمجھنے اور دیکھ بھال کے قابل ہوں تو وہ یہ سنیں کہ انکے سوتیلے باپ نے انکی پرورش میں صرف کر دیا۔

میں ان سب مسلمانوں کا ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب سے متاثر ہو کر اپنی جہالت کو احکام شریعت کے روبرو مٹا ڈالا اور نکاح بیوگان کئے اور بیحد شکر گذار ہونگا اور خدا جزائے خیر دیگا ان مسلمانوں کو جو بیوہ کے نکاح کے وقت اس کے یتیم بچوں کے مال کی نگہداشت کا انتظام فرمادینگے اور اس کا مہر بچوں کی پرورش و تعلیم قرار دے کر ایک بڑی قومی خدمت انجام دینگے

۳ جولائی ۱۹۳۱ء

راشد الخیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

کچھ اکیلے مرزا قدیر ہی پر منحصر نہیں بلکہ شاہی خاندان کا ہر فرد اس مرض
میں گرفتار تھا کہ دنیا کی ہر مصیبت زندگی کی ہر آفت اور عمر کی ہر زحمت منظور مگر
بیوہ کا نکاح منظور نہیں۔ ایسے سنگدل اور کٹر لوگ تھے کہ مہینہ دو دو مہینہ کی بیاہیاں
دنیا کی راحت اور نعمت کو ترستی پھڑکتی بڑھیا ہوئیں لیکن ان کا دل نہ پسیجا۔ سونے
پر سہاگہ یا زخم پر کچوکے یہ تھے کہ پہننا اوڑھنا، سرمہ کاجل، مہندی مسی ہر چیز حرام تھی
ایسی ہی اشد ضرورت ہو اور سر چکٹنے لگے تو دہوئی تلی کا تیل وہ بھی رات کو چپکے سے
ڈال کر گوندھ لو ورنہ برے حال، بدتر احوال، ماماؤں لونڈیوں کی طرح میلے چیکٹ کپڑے ہاتھ
ہیکڑ ہلا نہ پاؤں بیکڑا زندگی کے دن پورے کر لو۔ قدیر کا مرض ذاتی نہیں موروثی
تھا۔ دونوں حقیقی پھوپھیاں ایک نویں دن اور ایک تیسرے سال رانڈ ہوئیں
دنیا ہی نے زور لگایا مگر مغلوں نے اپنی آن نہ توڑی گویا شرافت کا انحصار ہی
اس پر تھا۔ اسی اسی برس کے بڈھے پھولس جو قبروں میں پاؤں لٹکائے بیٹھے
تھے اپنی آنکھ سے دیکھتے کہ چودہ چودہ پندرہ پندرہ پندرہ برس کی لڑکیاں بالی نہ بندا
انگوٹھی نہ چھلا کلیجہ مسوس کر اور دل مار کر صبح سے شام اور شام سے صبح کر رہی ہیں
مگر کان پر جوں نہ چلتی یہ نہیں کہ مذہب سے الگ ہوں ایک اس لغویت کو چھوڑ کر
جیسا اسلام ان کا تھا خدا سب مسلمانوں کو نصیب کرے دس برس کا بچہ بھی اگر نماز
جماعت سے نہ پڑھے تو کھانا نہ ملے۔ سمجھ میں نہیں آتا ایسے سچے مسلمان ہو کر اس
خاص حکم کے دشمن کیوں تھے۔ نماز روزہ حج زکوٰۃ کوئی فرض ایسا نہ تھا کہ رتی بھر

یا تل برابر کمی آجائے، بڑے سے چھوٹے اور مرد سے عورت تک سب حاجی تھے
مگر اس رسم نے تمام خوبیاں ملیا میٹ کر دیں اسی وجہ سے شہر کا کوئی خاندان اور محلہ کا کوئی انسان
ایسا نہ تھا جس میں اور جس کی نگاہ میں یوسف شاہی نکو نہوں لیکن ان اللہ کے بندوں
نے کبھی کسی کی پرواہ نہیں کی اور وہی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد چنی اس رسم کا جو رسم
نہیں ظلم اور ظلم بھی ایسا جگر خراش جس کے خیال سے اذیت ہوتی ہے، نتیجہ
صاف تھا۔ شوہر کی موت لڑکی کی نگاہ میں اسکی اپنی موت تھی اسکو مر کر موت آتی
تھی، اسکو جیتے جی کسی سے بولنے کا حکم نہ تھا، کسی سے ملنے کی اسے اجازت نہ تھی
کسی خوشی میں شریک ہونے کے قابل وہ نہیں کسی رنج میں ساتھ دینے کے لائق وہ نہیں
ایک کمرہ یا کوٹھڑی جو میسر آگئی اس میں ہر وقت بت بنی بیٹھی رہے رات کو چوٹوں کی
طرح باہر نکلے جو کرنا دھرنا ہو کر کرا پھر اندر داخل،

اکٹھی سات پشتوں تک یوسف شاہی ان مظالم میں کامیاب رہے اور اس
عرصہ میں خدا جھوٹ نہ بلائے تو ڈیڑھ سو سے اوپر لڑکیاں ہوں گی کہ کفن میں موت
کے گھاٹ اتار دیں مگر واہ رے یوسف شاہی بیٹیوں تخت کی بیاہی تک رانڈ ہوئیں اور
تمام رانڈاپا ماں باپ کی دہلیز پر بہن بھاوجوں کے سامنے کاٹ دیا لیکن کیا مجال جو کسی
کو آنچل تک دیکھنا نصیب ہوا ہو، قدیر کی سگی چچا زاد بہن شعبانہ تو ایسی بد نصیب
نکلی کہ شوہر کی صورت تک دیکھنی نصیب نہ ہوئی گھونگٹ کی دلہن رانڈ ہوئی اور
میاں کے بعد تیرہ سال زندہ رہی مگر صورت تو کیسی آواز تک کسی غیر کو نہ سنائی۔

یوسف شاہی خاندان کی باگ جسوقت مرزا قدیر کے ہاتھ میں آئی ہے تو یہ وہ زمانہ
تھا کہ تعلیم بہت کچھ ترقی کر چکی تھی جہالت کا بڑا حصہ فنا ہو گیا تھا، پھول چالیسواں چوتھی چالے
یہ اور اس قسم کی قریب قریب تمام رسمیں مرزا نے بند کر دی تھیں لیکن بیوہ کا نکاح کرتے
اس کے بھی ہوش باختہ ہوتے تھے حقیقی بہن گھر میں رانڈ موجود تھی اور مشکل سے بائیس

تیئیس برس کی عمر ہوگی مگر اس کے نکاح کا خیال کبھی بھولے سے بھی دماغ میں نہ آیا جوان مری تہ رستی گئی پھڑکتی اٹھی شعبانہ کے بعد یہ دوسرا موقعہ تھا کہ اگر شفقی القلب سبق لیتے تو اس موت میں بہت کچھ تھا مگر صد آفریں مغلوں پر اور ہزار شاباش قدیر پر کہ ماجائی ہنس ہنس کر اور ایک ایک کر زمین کا پیوند کر دی اور تیوری پر بل نہ آیا۔

(۲)

قدیر کہنے کو تو کئی بچوں کا باپ تھا اور سمجھا جا سکتا تھا۔ مگر دو یا شاید تین تو چند مہینوں ہی کے چلدئیے دو البتہ ایک لڑکا اور ایک لڑکی دانت ڈاڑھ لانگ پھلانگ پانچ اور سات برس کے ہوئے، نا انصافی ہوگی اگر ہم یہ کہیں کہ مسلمانوں کی عام حالت کے موافق قدیر اور اسکی بیوی فیروزہ اپنے بچوں ظہیرا در حشمت کی پرورش میں لڑکا لڑکی کا امتیاز رکھتے تھے۔ دونوں کا پیٹھ پیچھا ہے خدا اس بیچاری کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے کھلانے پلانے میں کپڑے میں لتے میں دونوں آنکھیں برابر سمجھتی اور ایمان کی بات یہ ہے کہ قدیر نے بھی اس پر اعتراض کرنا جائز نہ سمجھا۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ حشمت سے اوپر دو بچے ضائع ہو چکے تھے اس لئے وہ چھوٹی ٹ آنکھ کا دیدہ تھی یا اس لئے کہ مسلمان تھے۔ مذہب کی وقعت رگ رگ میں تھی لڑکا لڑکی دونوں برابر تھے۔ بہرحال اس لئے یا اس لئے کہ قدیر اور فیروزہ دونوں کو حشمت ظہیر سے کم نہ تھی۔ دن آنکھ بند کرکے اور وقت ہوا کی طرح گذرا اور وہ وقت آیا کہ ماں اور باپ دونوں کو حشمت کے بیاہ کا فکر ہوا۔ اور وہ ننھی سی جان جو کل تتلی کی طرح گھر بھر میں باتیں ملکاتی اور غضب ڈھاتی پھرتی تھی آج جوان معلوم ہونے لگی۔ یہ بھی عجیب وقت تھا کہ ماں باپ جو اس کے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھاتے تھے۔ اب اس کے نکالنے کی فکر میں تھے اور یہ سہم ایسا چڑھا تھا کہ دن رات کے کسی لمحہ میں اس فکر سے آزاد نہ ہوتے تھے

قدیر تو خیر مرد بچہ تھا مگر فیروزہ کے واسطے تو حشمت مفت کی مصیبت تھی کہ جتنا وہ بڑھتی یہ گھٹتی وہ موٹی یہ دبلی وہ تیار یہ لاغر۔ باہر نکل کر قدیر شاید دوسرے مراحل یا زندگی کی اور کشمکشوں میں بیٹی کو بھول جاتا ہو مگر گھر میں تو میاں بیوی کی گفتگو کا اکثر مقصد یہی ہوتا یہ نہ تھا کہ لڑکوں کی کمی ہو اگرچہ سننے میں وہاں بھی اور جب بھی اور اب بھی یہ ہی آیا کہ لڑکوں کا پتہ نہیں گھر کے گھر کوارکوٹ چنے پڑے ہیں لیکن یہ خیال جب بھی غلط تھا اور اب بھی وہاں بھی اور یہاں بھی کل بھی اور آج بھی بیٹیوں کو بیٹوں کی کمی نہ بیٹوں کو بیٹیوں کی حقیقتاً اس کمی کے ذمہ دار مسلمان اور مسلمانوں کا تمدن، حالات نے کچھ ایسی مکروہ صورت اختیار کر لی ہے کہ شوہر جسکو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ جو سلوک آج میں ایک باپ کی لڑکی سے کر رہا ہوں کل یہی توقع مجھ کو اس سے رکھنی چاہیئے جو شوہر کی حیثیت میں میری لڑکی کے سامنے آیا ہے وہ اسوقت نفسانیت کے مقابلہ میں توقعات کو ختم کر دیتا ہے اور صرف اس لئے کہ ابھی لڑکی کا باپ نہیں ہوا شوہری حکومت کے زعم میں ہر جائز اور ناجائز سلوک روا رکھتا ہے لیکن جب وقت نفسانیت کو کمزور کرتا ہوا بیٹی کا باپ بنا دیتا ہے اسوقت داماد سے کچھ اور ہی توقعات پیدا ہونی شروع ہوتی ہیں۔ مگر ان توقعات کے پورا نہونے سے اس کو شکایت کا حق ہی کیا جو خود نہ کر سکا اس کی توقع اور سے کیوں رکھے۔ یہی ہے مسلمانوں کی وہ نفسانیت جس نے لڑکیوں کی مٹی پلید کر رکھی ہے رونے کی آواز ہر طرف سے کان میں آتی ہے کہ ہائے بر نہیں کیوں نہیں، پر بہت یہ کہو کہ ڈھنگ کا نہیں۔ اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ مانگو جو رکھوایا اور لوجو دیا اگر تمہاری لڑکی جان رکھتی ہے تو پرائی جائی بھی کوڑے پڑی نہ تھی جس طرح یہ کلیجہ کا ٹکڑا ہے اسی طرح وہ بھی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی اگر اس کو گھر کی ملکہ بنایا تو توقع رکھو کہ تمہاری لڑکی بھی گھر کی ملکہ بنے اور اگر ذرا سی غلطی پر زبان کا ٹانکا ٹوٹ گیا تو اسوقت دنیا کا

انتظام اس بے زبان کا بدلہ لیگا اور جو زبان اسوقت خاموش اور جو آنکھیں اس وقت نم ہو کر بے بسی اور بے کسی کی حالت میں جواب نہ دے سکیں آج وہی آنکھیں اور وہی زبان ایک دوسری صورت میں منہ توڑینگی وہ شوہر جو اسوقت نہایت اطمینان سے یہ سمجھکر کہ مجھ کو عورت پر ہر قسم کی حکومت کا حق حاصل ہے اور میری طاقت اس سے یقینی افضل ہے اسکے بزرگوں کی توہین کرنا معمولی بات سمجھ رہا ہے وہ یہ بھی یقین کرلے کہ میں اسوقت اس آبادی کی بنیاد رکھہ رہا ہوں جس کے بسنے والے مجھکو کیا میرے باپ دادا کو بھی نہ چھوڑینگے۔ المختصر یہ تھے وہ اسباب جنکی وجہ سے حشمت کا کوئی پیغام قدیر اور فیروزہ کی رائے میں مناسب نہ تھا۔ کہیں بدمزاجی کا اندیشہ کسی جگہ لاپرواہی کا ڈر۔ ایک جگہ ساس کی سختی کا فکر تھا تو دوسری جگہ نند کی زیادتی کا۔ کہیں باپ اکتا جاتا تھا تو کہیں دادا غرض جو پیغام آتا تھا مسترد اور جو تجویز ہوتی تھی نامناسب۔ دو سال کا عرصہ اسی چکر میں بسر ہوا اور اب حشمت خاصی سولہویں سال میں تھی اول تو یونہی بدن خاصا تھا اس پر بے فکری آزادی وہ قد و قامت اور رنگ روغن نکلا کہ فیل کی فیل معلوم ہوتی تھی اس نے اور بھی دونوں کی جان پر بنا دی اور اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ جس طرح ہوسکے جلدی کردو بول پڑھا لڑکی رخصت کریں یہ حالت کچھ غریب قدیر اور بدنصیب فیروزہ ہی پر نہیں اکثر ماباپ پر گذری اور گزرتی ہے اور اگر یہی لیل و نہار رہے تو گزرتی رہے گی۔ جڑ ان تمام خرابیوں کی وہی ایک ہے۔ یہ بیل کہیں دیواروں پر کہیں رخنوں پر کہیں لنڈیری پر اور کہیں چھجے پر مگر اصلیت وہی ایک، لڑکے والے اس لئے کہ ان کا بیٹا ہے، چاہے والد صاحب خود ایک چھوڑ سات بیٹیوں کے باپ ہوں دنیا بھر کے اغماض کرنے کو موجود۔ جوڑا چڑھاوا خاک نہ ہو مگر جہیز میں لال قلعہ بھی کم لیکن کتنا اچھا ہوتا کہ شیخ صاحب اتنا بھی سوچ لیتے کہ چار دفعہ لڑکی کے

باپ ہونے کی حیثیت سے بھی کام کر چکا ہوں اور ابھی تین بیٹیاں اور بیٹھی ہیں

الغرض یہ وہ وقت تھا کہ مرزا کو اتنی گنجایش کا بھی موقعہ نہ رہا کہ اچھی طرح تحقیقات بھی تو کر سکتا۔ اب یہ تقدیر سمجھو یا اتفاق کہ جتنی زیادہ ضرورت محسوس ہوئی اتنی پیغاموں میں کمی۔ یہاں تک کہ سترہویں سال کے شروع ہوتے ہی تو کچھ ایسے منحوس دن آئے کہ پیغام نام کو نہ رہا وہ جو برے بھلے ناقص خراب اب تک موجود بھی تھے اب ان کے بھی لالے پڑ گئے جن سے قطعاً انکار یا بالکل جواب تھا قصد کیا کہ ان ہی میں سے کسی کے سر چپکیں مگر اب وہ بھی نہ رہے۔ یہ فکر کچھ اس طرح ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا کہ دونوں میاں بیوی اس کے سوا سب بھول گئے۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ قدیر گرمی کے موسم میں بیچ پڑا سوتا تھا۔ آسمان صاف تھا، چاند اور تارے چمک دمک کر رہے تھے کہ دفعتہً شب ماہ نے رنگ بدلا اور ابر کی نقاب سیاہ رخ روشن پر ڈالی تین بجے ہونگے کہ پانی پڑنا شروع ہوا، قدیر صحن میں تھا کچی نیند میں اٹھا اندر گیا، لیٹا سونا چاہا کروٹیں لیں مگر حشمت کا فکر اس وقت کچھ اس بری طرح پیچھے لپٹا کہ لاکھ سونے کا قصد کرتا تھا مگر نیند مطلق نہ آتی تھی آج پرواز تخیل قدیر کو عمر گذشتہ کی طرف لیگئی اور دل نے صدا دی کہ جس طرح دنیا عالم اسباب ہے اسی طرح انسان کی ہر حالت اس کے اپنے عمل ہیں راحت والم غرض ہر کیفیت ثمر ہیں اس بیج کا جو اس نے بوئے۔ اسی مسئلہ پر غور کرتا ہوا قدیر اس وقت پر پہنچا جب حقیقی پھوپی جس کی لڑکی سے اس کا نکاح ٹھیرا تھا۔ بیوہ ہو کر بے ایمان چچا کے ہاتھوں ترکہ پدری سے محروم کی گئی اور دیکھتے دیکھتے کچھ ایسا انقلاب ہوا کہ جس دروازہ پر گھوڑے جھولتے اور ہاتھی جھومتے تھے، وہاں دانت کریدنے کو تنکا نہ رہا اور وہ اکرامی جس کے ملوں کا سکہ چلتے اور گدیلہ میں بیٹھا ہوا تھا شوہر کی موت سے ایک ایک پیسہ کو محتاج ہو گئی۔ اکرامی ایک آٹھ برس کی بچی کو لیکر رانڈ ہوئی تھی اور ابھی وہ سماں دیکھنے والی آنکھیں زندہ تھیں کہ منگنی کی پانچ

من مٹھائی کے بدلے جو قدیر کے باپ نے بھیجی بہن نے سات من مٹھائی کا حصہ صرف دولہا کا بھیجا تھا چار ساڑھے چار سال جب تک اکرامی کا یہ وقت بنا رہا عیدی بقرہ عیدی کا لین دین اس طرح کیا کہ کنبہ بھر واہ واہ کرتا تھا۔ مگر جب شوہر کی موت نے بدنصیب اکرامی کا تمول افلاس سے بدلا تو مسلمانوں کی جماعت نے اس کی عزت ذلت سے بدلدی اور وہی اکرامی جس میں سینکڑوں خوبیاں تھیں اس میں ہزاروں کیڑے پڑنے لگے بیوہ نے وقت کا ایک خاصہ حصہ شوہر کے بعد اسی شان سے گزار دیا۔ مگر جب حالت روز بروز بدتر ہوتی گئی تو ایک روز صبح کے وقت جب وہ اپنے افکار پر غور کر رہی تھی اور بہتری کی ہر توقع ختم اور کامیابی کی ہر کوشش بے سود نظر آئی اور دیکھا کہ جو ہاتھ اشرفیوں کے لٹانے سے کبھی نہ تھکے آج وہ پیسیوں کو ترس رہے ہیں اور جو جسم سونے روپے سے جگمگاتا رہا اس وقت اس پر ڈھنگ کا کپڑا بھی نہیں تو اس کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ بیٹی کو رخصت کر ہجرت کروں شوہر کے بعد کچھ توقع بھائی سے تھی وہ بھی نہ رہا سوچا کہ یہ پانچہزار کا زیور موجود ہے خدا دیتا تو اس میں اور کچھ بڑھاتی اسے جو کچھ ہے یہ گویا کچھ نہیں۔ مگر کیا کروں اللہ کی مرضی یہ ہی تھی، اب دنیا کو چھوڑ دوں اور عمر کا باقی حصہ کعبۃ اللہ پہونچکر اللہ اللہ میں گزار دوں۔ دنیا کی کمائی عمر کا اثاثہ جو کچھ ہے یہ ایک بچی مگر پرایا دھن ہے کب تک میرے کولے سے لگی بیٹھی رہے گی فراق یقینی اور جدائی برحق ان ہی خیالات میں مستغرق تھی اور قصد ہجرت مصمم ہو جاتا تھا کہ بچی سامنے آگئی اس کی صورت دیکھتے ہی جی بھر آیا کوٹھری میں گئی دیر تک روتی رہی باہر نکلی اس کے پاس گئی گلے سے لگایا پھر روئی دن اسی ادھیڑ بن میں اور رات اسی فکر میں سوتے جاگتے بسر ہوئی۔ علی الصباح اٹھی تو گھر کا دروازہ کھلا اور کوٹھری کا قفل ٹوٹا پڑا ہوا تھا اور ایسی کہ تنکا تنکا ظالم جھاڑ دیکر لے گئے۔ یہ دہاکہ ایسا بیٹھا کہ اکرامی مردہ ہو گئی توقعات کا خاتمہ پہلے ہی ہو چکا تھا اور پہاڑ سی عمر کا ہر جزو ناامیدی

کے کانٹوں سے پٹا پڑا تھا قدرے اطمینان وہ بھی اب چند روز سے مفقود اگر کوئی اُمید تھی تو بچی کی وداع اور اپنی ہجرت آج وہ بھی فنا ہوئی کلیجہ پکڑ کر بیٹھ گئی تین دن اور تین رات اس کثرت سے روئی اور ورد سے بیٹی ہے کہ سننے والوں کے دل دہلتے تھے دن کے دس بجے ہوں گے کہ اکرامی بھتیجے کے گھر میں داخل ہوئی حسرت اس کی صورت سے انقلاب اس کی حالت سے عبرت اس کی کیفیت سے اور قدرت اس کی ہیئت سے ظاہر ہو رہی تھی۔ ہلکی پھول دو بالیاں اس کے کانوں میں میلے کچیلے چکٹ کپڑے اس کے بدن پر پرانی دہرانی جوتی اس کے پاؤں میں آنسو اس کی آنکھوں میں تھے۔ اس کے دل میں درد تھا اس کے لب پر آہ تھی افسردہ اتری آزردہ بڑھی اور مردہ سامنے آئی، قدیر کھانا کھا رہا تھا کہ پھوپی نے کہا۔

"بیٹا تم نے چوری کا حال سنا ہوگا۔ یہ میری تقدیر کا لکھا تھا خدا اپنی قدرت کے تماشے دکھا رہا ہے۔ تمام عمر دنیا کے دھندوں اور جھگڑوں میں بسر ہوئی۔ اب خواہش ہے کہ باقی وقت کعبۃ اللہ میں گذار دوں، مقدر نے پاسہ پلٹ کر راحت کو مصیبت سے بدل دیا جو تھوڑا بہت سہارا باقی تھا وہ بھی نہ رہا ایک عورت کے دلپر میرے شوہر جیسے انسان کی موت جس نے آخری وقت میں بھی بیوی کی تسبیح جپی اور تمہارے چچا جیسے بھائی کی بے وفائی جس نے ایک ماں کے پیٹ میں پاؤں پھیلا کر محض چند روزہ زندگی اور فانی دولت کے واسطے ماں اور باپ دونوں کی پاک روحوں کو الٹی چھری سے یہ کہہ کر ذبح کر دیا کہ یہ میرے باپ کی اولاد نہیں تو دو صدمے کچھ کم نہیں مگر بے غیرت ہوں میں خود اور بیچیا میری زندگی کہ اب تک جیتی ہوں اور مصیبتیں بھگت رہی ہوں مجھے یقین ہے کہ اگر چھوٹے بھائی یعنی تمہارے ابا زندہ ہوتے تو بدنصیب پھوپی یہ دن نہ دیکھتی خدا تمہاری عمر دراز کرے۔ میرے وارث ایک ایک کر کے قبر میں جا سوئے اور اب تمہارے سوا کوئی

اتنا نہیں کہ میری بپتا دور کرے۔ دل تڑپ رہا ہے آنکھیں رو رہی ہیں مگر مرنے والوں کے واسطے نہیں جن کے تعلق فانی اور محبت چند روزہ تھی رہنے والے کے لئے جس کا تعلق موجود اور محبت پائدار ہے لیکن مجبور ہوں کہ بیکی کی زنجیر پاؤں میں ہے۔ قدیر میاں اپنی امانت لو اور بیوہ پھوپی کے زخم مرہم رکھکر اس کو جھٹکا را دو"

اتنا کہہ کر اکرامی کی کیفیت زیادہ بگڑ ہی اس کی آواز تھرا گئی۔ اس کا گلا گھٹنے لگا، اس نے میلے دوپٹہ سے منہ ڈھانک لیا اور ہچکی بندھ گئی۔ قدیر کی آنکھیں جن کا کام یہ تھا کہ بدنصیب عورت کی مصیبت پر خون کے آنسو گراتیں خاموش تھیں بھتیجے کے ہاتھ جن کا یہ فرض تھا کہ مصیبت ماری پھوپی کے زخم پر تسکین کا پھاہا رکھتے اکڑ گئے اور جب کوئی معقول جواب نہ ملا تو اکرامی تھوڑی دیر اور بیٹھ ایک ٹھنڈا سانس بھر اٹھ چلی گئی

آج قدیر کو معلوم ہوا کہ اسکی خاموشی نے جو کھلا ہوا انکار اس کے تامل سے جو یقینی جواب تھا غریب پھوپی کے دل پر کیا بجلی گرائی ہوگی وہ اسوقت تھرا اٹھا۔ اس زخم پر نمک یہ تھا کہ اکرامی مر چکی تھی اور اتنا موقع بھی نہ تھا کہ اس کے قدموں پر گر کر یا سینہ سے لپٹ کر معافی مانگ لیتا وہ اسی طرح لیٹا اپنے اس فعل پر افسوس اور اپنے اوپر ملامت کر رہا تھا کہ شب سیاہ نے روز روشن سے بغلگیر ہونے کو اپنے ہاتھ بڑھائے پو پھٹنی شروع ہوئی اور قدیر نماز کے واسطے مسجد میں گیا

(۳)

ڈھائی کیسے تین سوا تین سال اور گزرے اس عرصہ میں قدیر اگر بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو جاتا تو یہ انسانی فطرت تھی کہ وہ اپنے اس رکیک فعل اور لغو حرکت کو بھول بھال جاتا لیکن ناکامی میں وہ خیال رہ رہ کر اذیت دیتا اور تھم تھم کر کلیجہ برماتا۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ دونوں میاں بیوی بالکل تیار تھے کہ اگر جھوٹ موٹ بھی

کوئی پیغام دے تو سچ مچ ہاں کرلیں مگر بیوہ کا دل جس کو قدیر نے بیدردی سے ٹھکرایا پھوپی کی خواہشیں جن کو بھتیجے نے سنگدلی سے مسلا کچھ وقعت رکھتی تھیں دنیا کی نگاہ میں نہیں قدرت کی اور فانی طاقت کی نہیں ازلی حکومت کی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ قدیر کا بیشتر وقت اس بےچینی اور کوفت میں گذرا کہ آنکھوں سے تو نہیں مگر چہرہ سے ہر وقت روتا اور بسورتا انیسویں سال بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور ایک پیغام آیا صاحبزادہ صاحب چالیس برس کے آدمی اور تھانہ دار تھے ایک بیوی اور چار بچے موجود تھے مگر شکایت یہ تھی کہ بیوی اکثر بیمار رہتی ہیں قدیر کی مجبوری تھانہ دار صاحب کی ضرورت دونوں ہماری آنکھ کے سامنے ہیں۔ تھانہ دار صاحب عقد ثانی کے مجاز تھے اور کسی کی طاقت تھی کہ ان کو یا لڑکی کو روک لیتا لیکن افسوس یہ ہے کہ عذر اس قدر نامعقول اور ایسا لغو تھا کہ تھانہ دار صاحب کے مسلمان ہونے سے اسلام کی کچھ تھوڑی سی بدنامی ہی ہوئی۔ بیوی کی علالت اختیاری نہ تھی علاوہ ازیں ضیق النفس موروثی مرض اور پرانی بیماری تھی لڑکی والوں نے صاف صاف کہدیا اور اچھی طرح جتا دیا تھا کہ اس وقت تو سب باتیں منظور کرلیں لیکن جب ترقی عمر کے ساتھ مرض بھی بڑھا اور انحطاط شباب کے ساتھ صحت بھی کمزور ہونی شروع ہوئی تو عقد ثانی کی سوجھی مگر تھانہ دار سے بہت زیادہ اس عقد کی ذمہ داری قدیر پر آتی ہے خصوصاً ان حالات میں کہ بیوہ کا نکاح اس کے ہاں روز محشر سے کم نہ تھا یہ صحیح کہ عمر زیادہ ہوگئی تھی مگر اس طرح کنوئیں میں دھکیلنے کی ضرورت کیا تھی۔ اب نہ ہوتی پرسوں دن بعد ہو جاتی حشمت تو آدمی کا بچہ اور اچھی صورت کی لڑکی تھی ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ اندھی، لولی، لنگڑی کانڑی سب ہی کھپی چلی جارہی ہیں آج تک ہم نے تو نہ کہیں دیکھا نہ سنا کہ فلاں عورت اس لئے کہ کالی تھی یا کانڑی اور اندھی تھی یا بھینگی اسی برس کی عمر میں اسلئے مرگئی کہ بر نصیب نہ ہوا۔ مگر قدیر کی اور ساتھ ہی اس کی بیوی فیروزہ کی آنکھوں پہ

کچھ ایسے پردے پڑے تھے کہ پیغام امرت اور مشاطہ غنیمت ہو گئی، دن مقرر ہوا اور تاریخ ٹھیری اور سیلا دے پھرے۔

نکاح سے ایک روز قبل کا ذکر ہے۔ ساچق دھوم دھام سے آئی بیویاں اٹا ٹٹ بھری ہوئی تھیں بچے کچے چاروں طرف اچھل کود رہے تھے گھر بازار ایک ہو رہا تھا قدیر کی منجھلی بہن جہاں آرا جو دو بچوں کو لیکر بیوہ ہوئی تھی سیر دیکھنے کے واسطے اپنے کمرہ سے باہر آئی اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس تماشہ میں محو ہو کر یا خون کے جوش سے متاثر ہو کر وہ اپنی حیثیت اور خاندانی آن بالکل بھول گئی اور بڑھتے بڑھتے اس موقع پر پہنچ گئی جہاں سات سہاگنیں دلہن کو چڑھاوا چڑھا رہی تھیں۔ دفعۃً فیروزہ کی نظر نند پر پڑی اور صورت دیکھتے ہی ایسی آپے سے باہر ہوئی کہ باوجود نہایت معقول عورت ہونے کے شرافت اور انسانیت سب ہاتھ سے کھو بیٹھی اور یہ پورا یقین ہو گیا کہ جہاں آرا محض اپنی عداوت کی وجہ سے اس جلسے میں صرف اس لئے آکر شریک ہوئی کہ زیور کو ہاتھ لگا کر حشمت کو بھی بیوہ کر دوں اس یقین کے بعد کیا کسر تھی۔ کلہیاریوں کی طرح اٹھی اور مردوں کے مانند کفن پھاڑ کر بولی "منجھلی آپا غضب خدا کا یہ کیا ستم ڈھایا ایسی بھائی بھاوج سے دشمنی اور بھتیجی سے عداوت تھی تو زہر دیدیا ہوتا۔ ہٹو یہاں سے خبردار جو زیور کو ہاتھ لگایا یا کپڑوں کو چھوا۔"

جہاں آرا کو اس وقت اپنی بیوگی کا احساس ہوا جس قدر مہمان جمع تھے ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا کہ اس کی بیگناہی کو تسلیم کر لیتا، ہر عورت فیروزہ کے ساتھ اس کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی اور کہتی تھی کہ ایسی ڈائن پھوپی اور ناگن بہن آج تک دیکھی نہ سنی اول تو یہ غضب کہ شگون کے وقت اپنا چہرہ دکھانا اس پر یہ ستم کہ سہاگنوں میں آ ملی دونوں پر طرہ یہ کہ دیکھ بھال کر اور سمجھ بوجھ کر زیور کو ہاتھ لگایا کہ توبہ توبہ لڑکی رانڈ ہو جائے۔ اس واردات کی خبر قدیر کو بھی پہنچی اور تعجب

یہ ہے کہ وہ بھی اس معاملہ میں بیوی کا ہمنوا نکلا اور یہ وہ وقت تھا آدھی رات کو ایک بیوہ عورت حقیقی بھتیجی کی شادی میں ایسی سنگین خطاؤں کی ملزم تھی، تمام مہمان اور بھائی بھاوج اس کے برخلاف تھے۔ اور چاروں طرف سے بوچھاڑ اور لعن طعن پڑ رہی تھی جہاں آرا کی زبان خاموش تھی مگر اس کی آنکھیں اپنی بیگناہی کا عذر کر رہی تھیں وہ ایک ایک کی طرف دیکھتی تھی مگر کوئی آشنا نہ تھا کہ اس کی حمایت میں ایک لفظ بھی کہہ دیتا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ پکڑ دالان سے باہر نکال دیا یہاں بھی بیویوں کا ٹھٹ کا ٹھٹ اس کے چو گرد جمع تھا اس کی آنکھیں نیچی تھیں اور وہ جی میں کہہ رہی تھی کہ زمین پھٹ جائے اور میں سما جاؤں، قدیر کے منہ میں فیروزہ کے دل میں بیویوں کی زبان پر جو کچھ آیا کسی نے کہنے میں کسر نہ چھوڑی چوری چوری کے بعد بھی اس قدر شرمسار ایسا ذلیل اور اس قدر نادم نہ ہوگا جس قدر جہاں آرا اس وقت اپنے فعل سے تھی۔ چاہتی تھی کہ کسی طرح آنکھ بچا کر نظر چرا کر کمرہ میں گھس جاؤں اور ایسی بیٹھوں کہ عمر بھر نہ نکلوں مگر ندامت اس درجہ سر پر سوار تھی کہ قدم نہ اٹھتا تھا۔

بھائی یا بھاوج اس حالت کو تو کیا محسوس کرتے بھاوج نے جل کر آخر کہا "اب تو خدا کے واسطے غارت ہو اور اپنی کوٹھڑی میں گھسو خدا خیر رکھے اور دونوں دولہا دلہن اس کی حفاظت میں رہیں"

اس وقت فیروزہ کا یہ کہنا جہاں آرا کو غنیمت ہو گیا اور اپنی کوٹھڑی میں گئی اور اندر سے کنڈی لگا اور دونوں بچوں کو لے ایسی بیٹھی کہ دوپہر کو نکاح ہو گیا مگر وہ خود نہ نکلی، نہ کسی نے بلایا۔

شادیاں بیسیوں دیکھیں اور سینکڑوں ہزاروں سنیں مگر یہ اندھیر دیکھا نہ سنا کہ حقیقی بھتیجی کی شادی میں پھوپی صرف اس لئے کہ وہ بیوہ ہے دلہن کے پاس آکر

نہ پھٹکے اور دولہا کو دیکھنے تک نہیں۔ فیروزہ نے جس وقت بھاوج کو دالان سے
نکال کر اپنی سنگدلی کا اظہار کیا اور قدیر نے بھائی بن کر قصائی کو مات کیا۔ اسوقت
کمزور کی حمایت میں گو کوئی طاقت ظہور کرنے والی نہ تھی لیکن خاموشی سے قدرت
کی آنکھ کے سامنے فیروزہ قدیر اور جہاں آرا تینوں تھے۔ دن کے گیارہ بجے
نکاح ہوا اور دو بجے کے قریب اس حشمت کی روانگی کا وقت آیا جو آجتک کے
واسطے ماں اور باپ دونوں کی مہمان تھی،

اس وقت ماں کے سامنے بچی جوان نہیں کل کی جیتھڑا تھی، پیدائش سے
لیکر اب تک کی تمام کیفیتیں دل پر طاری تھیں کبھی اس کی پیدائش کبھی بچپن کبھی اس کا
غصہ اور کبھی اس کا بھولپن غرض عمر گذشتہ کی تمام تصویریں ہر ہر پہلو سے آنکھ کے
سامنے گزر رہی تھیں، ان سب کے ساتھ ہی کبھی اپنا غصہ کبھی اپنی خفگی کبھی اپنی
سختی اور کبھی تیزی فیروزہ کے دل پر کچھ کے لگا رہے تھے پالکی آکر لگی اور اس کے
ساتھ ہی فیروزہ کی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو کی جھڑیاں بہنے لگیں اور جسوقت یہ
خیال آیا کہ اب میں کہاں اور حشمت کہاں اس کا آب و دانہ بس آجتک کا مستقل
طور پر تھا۔ اب تو مہمانوں کی طرح آئی جو مقدر میں ہو کھا پی چلدی۔ اسوقت دل
تھرتھرانے لگا۔ دلہن کی سواری کا وقت آیا ہر چند کوشش کی ضبط سے کام لے
اور ہنسی خوشی رخصت کرے مگر مامتا اور انیس سال کی محنت سر پر ہاتھ پھیرتے ہی
بیتاب ہو گئی مگر یہ وہ وقت تھا جس کے ارمان نے جان پر بنا دی تھی بہ مشکل تمام
الگ ہوئی اور بیٹی کو رخصت کیا۔

(۴)

ہونے کو تو پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ برس کے دولہا نظر آئے ہیں تھانہ دار
تو چالیس ہی کے تھے مگر تعجب اور افسوس اس امر کا ہے کہ خود تو ہوئے ضیق النفس

میں دوسرے نکاح پر آمادہ ہو گئے۔ ہوئے کیا کر لیا اور اپنے درد دل کی کسی کو کانوں تک خبر نہ کی۔

قدیر نے جس وقت بیوہ بہن اور فیروزہ نے جس وقت رانڈ نند کو اپنی دولت اور طاقت کے زعم میں مجمع عام میں ذلیل اور رسوا کر کے دالان سے باہر نکالا ہے، جہاں بیوہ کے سوا ہر عورت سکے داخلہ کا حکم تھا اس وقت جہاں آرا کے دل پر کیا گزری۔ یہ تو وہ جانتے یا اس کا خدا مگر اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ جہاں آرا کے دل کی وہ آہ تھی جس نے بار ہا عرش کے کنگورے ہلا دیئے بیوہ کی آہ کا دھواں کلیجہ سے اٹھا منہ سے نکلا اور عرش معلی پر ٹھیرا گو ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ بھائی بہن کے تعلقات آسمان و زمین کا فرق رکھتے ہیں قدیر نے ذلیل کیا رسوا کیا وہ کیا جو کر سکتا تھا اور جو کرنا ممکن تھا لیکن جہاں آرا اس ذلت رسوائی کے بعد بھی بھائی یا بھائی کے گھر اور بچوں کی بربادی کی خواہش مند نہ تھی لیکن خدا معلوم کیا ہوا اور کیونکر ہوا۔ مگر ہوا یہ حشمت کی وداع کے بعد جب مہمان بھی رخصت ہوئے تو صرف گھر کا بچھونا اور دری چاندنیوں پر سالن کے چکتے بکھرے ہوئے چاول اور پھیلی ہوئی چھالیہ شادی کا پتہ دے رہے تھے۔ سوداگر کی نیند گھوڑا بیچنے کے اور ماں کی بیٹی بیاہنے کے بعد مشہور ہے۔ فیروزہ تین دن اور رات کی تھکی ہاری پلنگ سے پلک نہ جھپکی تھی پٹاری پر سر رکھے لیٹی تھی کہ آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ زندہ بیویوں کے بجائے ان عورتوں کا مجمع ہے جو دنیا سے رخصت ہو چکیں، ماں، نانی، دادی، خالہ، ساس، ننہیا ساس، ددھیا ساس سب موجود ہیں گھر بھی اپنا نہیں کوئی اور۔ اور لباس بھی یہ نہیں سفید براق جہاں آرا میلے چکٹ کپڑے پہنے بیچ میں خاموش بیٹھی ہے فیروزہ مدتوں کی بچھڑی اور عرصہ کی چھوٹی بزرگوں کی صورتیں دیکھ کر نہال ہو گئی، چاہتی تھی کہ آگے

بڑھکر ساس کے قدم چومے کہ ایک عورت نے اس کو پکڑ کر ایسا دھکا دیا کہ پیچھے گر پڑی اٹھی خاموش کھڑی ہو گئی متعجب تھی کہ معاملہ اور متحیر تھی کہ بات کیا ہے اور یہ ایسا کیا مشورہ اور بحث ہے کہ مجھے اندر نہیں جانے دیتے۔ دفعتہً ساس رو تی اٹھی۔ جہاں آرا کو گلے لگایا اور کہا۔

ظالم قدیر اور سنگدل فیروزہ نے جو سلوک تیرے ساتھ کیا اسکے دیکھنے والے تو اور تیرے دنیا والے ہی نہیں کچھ ہستیاں عالم بالا کی بھی تھیں عرش تھرا گیا آسمان لرزا فرشتے کانپ گئے حوریں کپکپائیں تیری اس نگاہ پر جو حالت یاس و نا امیدی میں بھائی کے چہرہ پر خاموش پڑی شقی القلب قدیر اندھا تھا کہ اس نظر کی قیمت نہ دی اس نگاہ کی وقعت نہ کی۔ اگر جفا کار اس وقت کو یاد رکھتا جب موت مجھ ماتا کی ماری ما کو تجھ جیسی فرماں بردار بیٹی سے جدا کر رہی تھی اور میں نے تجھ کو اس کے سپرد کر تیرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیا اور یہ الفاظ کہے کہ رانڈ اور مرنیوالی ماں کی امانت تیرے سپرد ہے اگر کمبخت فیروزہ وہ منظر نہ بھولتی جب ساس کی پرواز روح کا وقت آیا اور اس نے اس کو پاس بلا کر گلے سے لگایا اور رو کر کہا کہ ساس کی موت آج نند کی تمام ذمہ داری تمہارے سر رکھتی ہے جہاں آرا نند نہیں ساس کی یادگار ہے اس کا دل اور آنکھ میلی نہ ہو تو آج یہ وقت نہ آتا کہ مرنیوالے تیرے زخم کی عیادت کو آتے میری تعلیم ہمیشہ قدیر کو یہ ہی رہی کہ اعمال انسانی وہ بیج ہیں جن کے ثمر دنیا و آخرت میں آدمی کو بھگتنے اور چکھنے ضروری اور لازمی افسوس بیوقوف اس تعلیم کو بھول گیا اور ایسا بیج ڈالا جس کے پھل کلیجہ توڑ دیں گے جس کا ذائقہ موت کا مزا چکھا دیگا۔" ساس اتنا کہہ کر

اس قدر روئی کہ ہچکی بندھ گئی بیٹی ماں کے کلیجہ سے لپٹی ہوئی تھی، ادھر یہ دونوں ادھر وہ سب بیویاں جو ساتھ تھیں زار و قطار آنسو بہا رہی تھیں قدیرہ کی دادی نے ماں بیٹیوں کو الگ کیا اور کہا "صبر کرو اور دعا کرو کہ خدا ظالم قدیرا ور بہتر فیروزہ کا انجام بخیر کرے"۔

جہاں آرا کے الگ ہوتے ہی فیروزہ نے وہ خوفناک منظر دیکھا تھا کہ تھرا اٹھی دیکھتی ہے کہ نند کے سینہ سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں قدیرا اور فیروزہ اس آگ کو پھونک پھونک کر بھڑکا رہے ہیں دھواں اُٹھ کر آسمان کی طرف جا رہا ہے اور سب عورتیں الگ کھڑی اللہ اللہ کر رہی ہیں قدیرہ کی ماں کی نظر بہو پر پڑی غصہ سے مسکرائی اور کہا۔

بیوہ کی آہ میں، اس آہ کی آگ میں۔ اس آگ کے دھوئیں میں جو دونوں میاں بیوی نے ہنس ہنس کر اور کھل کھل کر سلگائی اور بھڑکائی خدا کا غضب اور قہر پوشیدہ ہے ہوا اس دھوئیں کو برباد نہیں کر رہی ہے فرشتے اس کو گود میں اور حوریں اس کو سینہ سے لگا رہی ہیں زبان نے الفاظ کو چھری بنا کر رانڈ بہن کو زخمی کیا، زخم کی اذیت آہ میں تبدیل ہوئی آہ کا دھواں اس مالک کے حضور میں حاضر ہوا جو ظالم اور مظلوم دونوں کا مالک ہے۔ یہ وہاں پہونچکر فنا ہونے اور مٹ جانے والا نہیں ایک دوسری صورت اختیار کریگا اور خدا کا قہر بن کر اس طرح نازل ہوگا کہ کلیجہ مسوس کر رہجائے گی فیروزہ نند کی آگ بھڑکا چکی اب اپنی ٹھنڈی کر اور یقین کر یہ دھواں خالی جانیوالا نہیں رنگ لانیوالا اور مصیبت ڈھانے والا ہے۔

فیروزہ وداع کر کے سوئی تھی اور یہ وہ نیند تھی کہ دوپہر کی سوئی سوئی تو سہ پہر

روز صبح کو بھی اٹھتی تو تعجب نہ تھا مگر آنکھ لگتے ہی ایک دوسری دنیا میں تھی ساس نے اتنا کہہ کر جہاں آرا کو کلیجہ سے لگایا اور وہ تمام گروہ ایک ایک کر کے آنکھ سے اوجھل ہونا شروع ہوا اور آناً فاناً سب چلدیئے اس منظر کا ختم ہونا تھا کہ فیروزہ گھبرا کر اُٹھی ہیبت اس قدر طاری تھی کہ بدن تھر تھر کانپ رہا تھا، بات کرتی تھی تو بولا نہ جاتا تھا اسی حالت میں گرتی پڑتی بھاوج کے کمرہ کی طرف چلی کہ قصور معاف کراؤں کمرہ بند تھا آوازیں دیں کنڈی کھٹکھٹائی کواڑ پیٹے مگر نہ معلوم جہاں آرا کو کیا سانپ سونگھ گیا تھا کہ اس شور محشر پر بھی اندر سے سانس کی آواز نہ نکلی میاں کو بلوایا اور مجبوراً دروازہ کی چول اتروائی۔

(۵)

جب قدیرا اور فیروزہ نے بدنصیب جہاں آرا کو مجمع عام میں ذلیل کیا اور بھائی نے بہن کا ہاتھ پکڑ باہر نکالا اس وقت ایک حسرت بھری نظر مظلوم نے بھائی کے چہرہ پر ڈالی زبان سے کچھ نہ کہا مگر اس کی حالت بآواز بلند کہہ رہی تھی کہ شوہر کی موت اختیاری نہیں مجبوری تھی میرا دخل اسمیں نہیں، بیوگی میرا قصور نہیں قدرت کا انتظام ہے جس کے سامنے میں نے سر تسلیم خم کیا مگر جب دونوں میاں بیوی کے دل نہ پسیجے اور جہاں آرا برابر کی سہیلیوں عزیزوں اور ہم چشموں میں اس درجہ رسوا ہوئی تو اس نے کوٹھری میں پہنچکر دونوں بچوں کو اندر لے دروازہ بند کر لیا اسوقت اس کے دل پر عجیب کیفیت گزر رہی تھی اور وہ خواہشمند تھی کہ اب اپنا شرمندہ چہرہ ان عزیزوں کو عمر بھر نہ دکھاؤں دل ہی دل میں سوچتی اور باتیں کرتی تھی کہ اتنا قصور ضرور ہوا کہ حشمت کو دلہن بنا دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی بھائی کی اولاد اور اپنی اولاد میں فرق نہیں ہوتا۔ میری گود یوں کھیلی میرے جھولوں پہ پڑ سوئی مگر مجھے خیال نہ رہا کہ بیوہ ہوں میرا سہاگ چھن گیا میرا وارث اُٹھ گیا میں

اس قابل نہ رہی کہ سہاگنوں میں کھڑی ہوں شوہر والیوں کے برابر پہنچوں مگر یہ میرے بس کی بات نہ تھی موت اور زندگی خدا کے اختیار میں ہے میرے ہاتھ لگانے سے میرا سایہ پڑنے سے میرے شریک ہونے سے حشمت توبہ توبہ رانڈ ہو گی مجھے ذلت کا کم رسوائی کا تھوڑا مگر اس کا صدمہ بہت ہے کہ بھائی بھاوج دونوں نے سمجھا اور یقین کیا کہ جان بوجھ کر اس غرض سے گئی کہ میرے منہ میں خاک حشمت کا دولہا نہ رہے۔ دلوں کا حال خدا کے سوا جاننے والا کوئی نہیں وہی جانتا ہے کہ بھولے سے چلی گئی۔ میں بیوہ سہی مگر ایسی ناہنجار نہیں ہوں کہ بھتیجی کی بیوگی کی متمنی ہوں جس روز سے پیدا ہوئی آج تک بھائی کو جواب نہ دیا، ترکہ کا جھگڑا کرایہ کا حساب گاؤں کی آمدنی آخر میرا بھی تو کچھ حق ہے لیکن اس وقت تک زبان پر نہ لائی مالک ہو کر نوکروں کی طرح اور بہن ہو کر لونڈیوں کی مانند رہی اس دن کو کہ تمام کنبہ اور برادری محلہ اور خاندان میں بھائی بھاوج کتے کی طرح مجھکو محفل سے نکال دیں لعنت ہے مجھپر اگر میں اپنی صورت بھائی بھاوج کو دکھاؤں۔ قابل ملامت ہوں اگر یہ منھ لیکر پھر عزیزوں سے بات کروں، موت اس زندگی سے اور خودکشی ایسی راحت سے بہتر اور افضل، مگر بچوں کی کیسی مٹی پلید ہو گی جس بھائی نے دم بھر میں میری آبرو اس طرح برباد کی اس سے یہ توقع کہ وہ میرے بچوں کو کلیجہ سے لگا کر رکھے غلط یا بھاوج جس نے مجھ نند پر یہ ستم توڑا بھانجا بھانجی کو تو کتے کے ٹھیکرے میں پانی پلا دے گی مگر کیسا بھائی اور کس کی بھاوج سب سے بہتر پالنے والا وہی مالک ہے جس نے پیدا کیا جس نے اتنا بڑا کیا جو سب کا وارث ہے وہی پرورش کریگا" اتنا کہ کر جہاں آرا نے دونوں بچوں کو پاس بلایا ان کو کلیجہ سے لگایا سر پر ہاتھ پھیرا روئی اور اتنا کہہ کر منہ پھیر لیا" پیارے بچوں خدا کے سپرد کیا" یہ کہہ کر اور کچھ سوچکر جہاں آرا کے خیالات نے پھر کچھ پلٹا کھایا۔ اور وہ

دوزانو ہو کر بیٹھی اس نے ہاتھ اوپر اٹھائے اور کہا " مجھ کو معلوم ہے کہ خود کشی گناہ کبیرہ مجھ کو علم ہے کہ قتل گناہ عظیم لیکن دل کی حالت اس درجہ کو پہنچ گئی کہ جان جیسی پیاری چیز اور بچوں جیسی عزیز دولت زندگی کا سرمایہ کلیجہ کے ٹکڑے قربان کرتی ہوں۔ انسان ہوں پہلو میں دل اور دل میں ارمان ہے، صاحب اولاد ہوں جن بچوں کے بیاہ کا ارمان تھا جنکو رات بھر کندھے سے لگائے ٹہلی ہوں جن گوشت کے لوتھڑوں کو پاپڑ بیل کر اور مصیبت کاٹ کر کسی قابل کیا ہے آج ان کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتی ہوں۔ شوہر کو زہر میں نے نہیں دیا۔ اگر اس کی موت جرم ہے تو اس کی قاتل میں نہیں مگر اس بیوگی نے جو دن مجھکو دکھایا خدا دشمن کو نہ دکھائے حقیقی بھائی کے گھر پر سگی بھاوج کے ہاتھوں جو دبت میری ہوئی تجھ سے پوشیدہ نہیں اور اب کہتی ہوں اور آواز سے کہتی ہوں، تجھ کو سنا کر کہتی ہوں کہ اس دنیا کے اندر ان مسلمانوں میں رہ کر اس کے بعد خود کشی جائز اور بچوں کا قتل روا وہ فیصلہ تیرا یہ میرا عزت ایک شے ہے جس کے ساتھ زندگی بامعنی اور دنیا قابل لطف لیکن اس کو کھو کر انسان بالعموم اور عورت بالخصوص اشرف المخلوقات نہیں ارذل مخلوق بلکہ اس سے بھی خراب کتے سے بدتر"

جہاں آرا کی تیوری پر اب تک خدا کے حضور میں بل تھا مگر کچھ سوچتے ہی سوچتے سجدہ میں گری اور کہا۔

" یہ واقعہ کا اثر اور دل کی بھڑاس تھی معافی کی طالب اور عفو کی خواستگار ہوں تو آقا میں کنیز تو مالک میں لونڈی تیرا فیصلہ سچا میری رائے غلط لیکن زندگی اب وبال جان اور بچے اب مصیبت ہیں جس دنیا نے مجھ ماں سے بے اعتنائی کی جن عزیزوں نے مجھ بے گناہ کو ایسی سنگین سزا دی جن پیاروں نے مجھکو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی وہ ان یتیم بچوں کی خاک تک برباد کر دینگے"

اب جہاں آرا اُٹھ بیٹھی اس نے قلم دوات پاس رکھ کر کچھ لکھا اور صندوقچہ کھول کر افیون نکالی دونوں بچوں کو کلیجہ سے لگایا اور ان کو افیون کھلا کر بڑا سا انٹا خود کھایا اور دائیں بائیں دونوں کو لٹا کر آپ بیچ میں اس طرح لیٹی کہ ایک ہاتھ ایک کے سینہ پر اور دوسرا دوسرے کے سینہ پر۔

قدیر بچی کی وداع اور فرض سے سبکدوش ہونے پر نہال نہال تھا۔ فیروزہ لڑکی کی مفارقت سے مضمحل تو ضرور تھی مگر اس خیال سے کہ حشمت اپنے گھر بار کی ہوئی باغ باغ تھی۔ بھائی کے گھر میں شادی رچ رہی تھی مہمان کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ اور رانڈ بہن یہ ہی نہیں کہ خود مر رہی ہو بلکہ حالت نزاع میں پھلروا سے دو لال دم توڑتے دیکھ رہی تھی اپنی تکلیف اس وقت بھی گرد تھی معصوم بچے سر اور ہاتھ دیدے ٹپکتے تھے ان کے ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگاتی تھی ان کے سر اپنے سینہ پر رکھتی تھی اور جس طرح رات کے وقت تھپک تھپک کر لوریاں دی تھیں اسی طرح اس وقت ان کو ابدی نیند سلا رہی تھی۔ اسی حالت میں بڑے بچے نے پانی مانگا اور ساتھ ہی چھوٹے نے ہائے کی خاموشی کے ساتھ دونوں کے منہ بند کر دیئے۔

کلیجہ کٹ رہا تھا گھونسے مارتی تھی اور بچوں کو چمکارتی تھی باری باری دونوں بچوں نے بیوہ ماں کی آنکھوں کے سامنے دم توڑا اب جہاں آرا میں خود بھی اٹھنے کی طاقت نہ تھی دونوں کو اپنے سینہ پر لٹایا بھینچا اور کہا "کچھ دیر نہیں میں ابھی ابھی آکر تم دونوں سے ملتی ہوں"

(۶)

قدیر کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جس گھر سے بیٹی کی پالکی نکل رہی ہے اسی گھر سے بہن کا اور اس کے بچوں کا جنازہ بھی نکلنے والا ہے۔ بیوی نے بلایا تو اندر

آیا پہلے تو اس کے ساتھ دروازہ کھلوانے میں شریک رہا جب ناکامی ہوئی تو دروازہ توڑا اندر جا کر دیکھتا ہے تو راثڈ بہن دونوں بچوں کو سینہ سے لپٹائے ابدی نیند سو رہی ہے۔ سناٹا آگیا حقیقتاً اس وقت سے اسوقت تک کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا کہ اس کوٹھری میں کیا ہو رہا ہے۔ اب قدیر اور فیروزہ نے یہ سماں دیکھا تو اوپر کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے جہاں آرا کی موت سے بہت بڑھ کر تعجب انگیز واقعہ یہ تھا کہ فیروزہ نند اور بھانجوں کی موت سے چنداں متاثر نہ تھی۔ اگر نند بھاوجوں کے تعلقات اس کی وجہ ہو سکتے ہیں تو بیوہ نند نند ہی کیا اور بیوہ بھی وہ جس کے سر پہ ماں نہ باپ نہ بھائی وہ ان گنوں کا اب البتہ قدیر کو معلوم ہو گیا کہ بدنصیب بہن جس کا ہاتھ پکڑ کر دالان سے باہر کیا گھر سے نکالا کس شان اور کس آن کی عورت تھی جسکو اتنا تک گوارا نہ ہوا کہ میرے بعد میرے بچے ماموں ممانی کے ٹکڑے کے بھی شرمندہ ہوں۔ فیروزہ کچھ دیر تک خاموش رہی مگر یہ خاموشی جس نے ہم کو بھی متعجب کر دیا ایک سکتہ تھا اور یہ وہ خواب سے پریشان تھی ادھر آنکھوں نے دیکھا یہ معاملہ قدیر نے نبض دیکھی سانس دیکھا اور جب دونوں کو تینوں کی موت کا یقین ہو گیا تو فیروزہ کے ہوش اڑ گئے اس وقت وہ سنگین ظلم جس نے ایک بیوہ اور دو یتیموں کی جان لی اس کے سامنے آیا اور بتایا کہ اگر ظاہری طاقت اور فانی دولت کے اعتبار سے کمزور عزیز قبضہ میں آ کر بے بس ہو جائیں لیکن افلاس ان کا جذبۂ غیرت فنا نہیں کرتا بیجا زندگی پر ایسی عزیز اور ایسی زبردست قربانیاں ہنسی خوشی چڑھا دیتے ہیں۔ فیروزہ کا بس چلتا تو شاید وہ اسوقت نند کے پاؤں دھو دھو کر پیتی مگر ہونے والی بات ہو چکی تھی بات زبان سے اور تیر کمان سے نکل چکا تھا، قدیر کو اسوقت پتہ چلا کہ جہاں آرا اس کے گھر پڑی رہنے والی نہ تھی۔ سرہانے بیٹھا آنکھوں میں آنسو آئے۔ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کر دو

میں ایک پرچہ دیکھا اٹھایا تو یہ لکھا تھا۔

قدیر میاں! گو رنڈاپے نے تمام عزت و آبرو خاک میں ملا دی لیکن یہ امید نہ تھی کہ تم جیسے عزیز بھائی کی نگاہ میں جس کی دہلیز پر جہاں آرا بزرگوں کی ناک لئے بیٹھی ہے کتے سے زیادہ ذلیل ہو گی قدیر میں نے اپنی نہیں تیرے اور تیرے باپ کی آبرو گود میں لی اور رنڈاپا تیرے در پر اور تیری بیوی کی آنکھوں کے سامنے ان دو معصوموں پر کاٹ دیا اس دن کو اور اس گھڑی کو نہیں کہ بھرے مہمانوں میں دونوں میاں بیوی دھکے دیکر گھر سے نکال دیں۔ خدا شاہد ہے کہ ارمان بھرا دل حشمت کو دلہن بنا ہوا دیکھنے کے لیے لے گیا بہن تھی دشمن نہ تھی پھوپی تھی ڈائن نہ تھی کہ اپنا پرچھا واں بیگناہ بچی پر ڈالتی اور اپنی طرح اس کی زندگی بھی برباد کرتی، بیوگی سے واقف اور رنڈاپے سے آشنا نتیجہ سے باخبر اور حالت سے آگاہ ہوں جانتی ہوں اور کہتی ہوں کہ خدا دشمن سے دشمن پر بھی یہ مصیبت نہ ڈالے۔ گئی۔ بے علمی میں پہنچی خون کے جوش میں اور کھڑی ہوئی سیدھے سبھاؤ خبر نہ تھی کہ میری ہستی میں میری صورت میں میری ہیئت میں یہ زہر یہ کیڑے اور یہ غضب ہے کہ دیکھوں گی وہ جو عمر بھر نہ دیکھا۔ اور بھگتوں گی وہ جو کبھی نہ بھگتی۔ میرا آب و دانہ تیری کمائی میں میرا ٹھکانہ تیرے در پر میرا قیام تیرے گھر پر جب تک تھا تو نے میری نہیں اس ماں کی آبرو ریزی کی جو میرا ہاتھ تیرے ہاتھ میں چھوڑ کر مری تو نے میری نہیں اس باپ کی عزت برباد کی جو مجھکو تیرے سپرد کر گیا تو نے میرا نہیں اس خدا کا دل دکھایا جو میرا اور تیرا دونوں کا مالک ہے۔

جاتی اور بچوں کو چھوڑ جاتی اگر یہ توقع ہوتی کہ میرے لال وبال نہ ہونگے

مگر جہاں میرا ہی حق کچھ نہ نکلا وہاں ان بچوں کا کیا ہوگا۔ اگر کوئی بہن
بھائی کی ذات پر کچھ حق رکھتی ہے تو التجا یہ ہے کہ یتیم بچوں کی قبر پیوند
ماں کے برابر اس طرح بنوا دینا کہ بڑا اسید ہے ہاتھ کو اور چھوٹا الٹے ہاتھ کو۔
حشمت خدا اس کی عمر دراز کرے۔ اور تیرا کلیجہ ٹھنڈا رہے۔ میری اپنی بچی پر
اور بے قصور ہے۔ وہ ناشاد پھوپی اور نامراد بھائیوں کو رو دے گی یہ خط
اس کو دکھا دینا اور کہدینا کہ مرنے والی جہاں آرا داماد کا حق دے گئی،
ہاتھوں کے کنگن اگر دل میں وہم نہ آئے تو اس کے ہاتھ میں ڈال دینا۔ قدیر
میاں بہن رخصت ہوتی ہے۔ وہ اپنی غلطی پر نادم ہے۔ اما بادا کی ارواح
کا صدقہ اس کی غلطی معاف کر دینا۔
جائداد اور املاک اللہ تمکو نصیب کرے میں اس کی بھوکی نہ تھی صرف
تمہاری محبت کی جویا تھی تم کو خدا کے سپرد کرتی ہوں دنیا کی بہار تمہارے
ساتھ ہو اور خوش رہو۔ جہاں آرا

(۵)

نئی دلہن کے عاشق اور پہلی بیوی سے بیزار جس طرح اکثر مسلمان ہوا کرتے ہیں
وہی کیفیت تھانیدار صاحب کی تھی حشمت کی صورت دیکھتے ہی وہ دنیا اور مافیہا کو
بھول گئے ظالم نے غضب یہ کیا کہ دونوں بیویوں کو ایک ہی گھر میں رکھا۔ بڑی بیوی بیمار
تو ضرور تھی مگر ایسی نہیں کہ شوہر اسکی سزا عقد ثانی سے دیتا ضیق النفس کا دورہ کبھی تیسرے
چوتھے مہینے کبھی چھٹے ساتویں ہو جاتا۔ دو چار آٹھ دس دن رہا آرام ہوگیا۔ مگر اس
مرض کا جو علاج کیا گیا اس نے اور بھی دکھ بڑھا دیا۔ آج کل کی سی چالاک اور چیر وچلا
بگھار دیا پنج لڑکی نہیں، دبی دبائی اور سیدھی سادی تھی شوہر نے سوکن چھاتی پر
لا بٹھائی۔ دل پر جو گزری تھی گزر گئی مگر زبان سے ایک حرف نہ نکالا۔ ہاں یہ صدمہ ایسا

بیٹھا کہ اندر ہی اندر گھلنا شروع کیا اور ایک مہینہ بھر بعد بخار شروع ہو گیا پہلے تو اتنا بھی تھا کہ کبھی کبھی دوائی ٹھنڈائی میسر آجاتی تھی اب وہ بھی نہ رہا اپنے کمرہ میں الگ بیٹھی کراہتی اور کوئی آکر بات تک نہ پوچھتا حشمت تو خیر سوکن تھی اس سے یہ توقع غلط تھی کہ وہ خود اس طرف توجہ کرتی شکایت اس کم بخت شوہر سے ہے کہ عقد ثانی کی اجازت مذہب کی آڑ میں اس کے اور اس جیسے سینکڑوں ہزاروں کے واسطے نعمت ہو جاتی ہے اور اس کے پیچھے ٹٹی کی طرح بیٹھ کر مزے سے شکار کرتے ہیں، یہ ہی ہیں وہ ناہنجار مسلمان جن کے کرتکوں نے یہاں تک نوبت پہنچا دی کہ خود مسلمان عورتیں کثرت ازدواج کے برخلاف چلا اٹھیں۔ ورنہ اس فیصلہ کے آگے مسلمان تو کیا ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے گردن جھکا دیتا مسلمانوں نے جس طرح ہر ہر موقعہ پر اسلام کو بدنام کرنے میں دقیقہ نہ چھوڑا اسی طرح کثرت ازدواج کا مسئلہ ہے جس کی مٹی موجودہ مسلمانوں کے ہاتھوں ایسی پلید ہوئی کہ عورتیں کیا اگر جانور بھی ان مظالم کو دیکھ کر پناہ مانگتے تو تعجب نہ تھا ہمارے سامنے اس وقت مدعی مدعا علیہ دونوں ہیں ادھر مسلمان مرد کثرت ازدواج کا مسئلہ ہاتھوں میں لئے ہشاش بشاش ادھر عورتیں اس کے برخلاف حیران و پریشان ہم نے مردوں کو اور خاص مردوں کو کیا قریب قریب سب ہی کو اس لئے کہ حکم کا ایک جز دسر آنکھوں پر اجازت کا مطلب بتانے میں کبھی کسر نہ کی عورتوں کی فریاد بارہا ان کے کان تک پہونچائی، ان کے اندرونی احساسات وجذبات آئینہ کی طرح کھول کر ان کے سامنے رکھ دئے۔ بتا دیا اور دکھا دیا کہ ان مظالم کا انجام خسر الدنیا والآخرۃ ہے لیکن عورتوں کی اس حمایت کا یہ منشا نہ تھا کہ وہ سرراہ آکر مردوں کے گلے میں دوپٹے ڈال دیں اور خدائی فیصلہ کے برخلاف زہر اگلنے لگیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اغیار جو ہمیشہ ہمارے مذہب مقدس کی تاک میں رہتے ہیں اس موقعہ کو

غنیمت سمجھ کر رائی کا پہاڑ اور بلی کا شیر بنا کر ہیو کو ہاتھی کر دیں اور اس فیصلہ حقیقی کو جو انسانی فطرت پر مبنی ہے نفسانیت ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

مردوں نے اس معاملہ میں لاریب بہت کچھ زیادتی کی اور اس حکم کا ناجائز فائدہ اٹھایا اور بے زبان بچیوں پر ایسے ایسے مظالم توڑے جن کے خیال سے بدن کپکپاتا اور رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ایک دو نہیں بیسیوں اور سینکڑوں اللہ کی بندیاں اور ماباپوں کی دُلاریاں جل جل کر اور بھن بھن کر قبروں میں جا سوئیں۔ زندگی ان کو مصیبت اور موت ان کو غنیمت ہو گئی یہ واقعات آنکھیں دن رات دیکھتی اور کان شب و روز سنتے ہیں، ان حالات میں اسلامی فیصلہ یقیناً بادی النظر میں ظلم کا مخزن اور ستم کا گھر معلوم ہوتا ہے لیکن جب اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے ہیں نکاح ثانی اور مساوات اور پھر دیکھتے یہ ہیں کہ ایک جزو کی تعمیل سر آنکھوں پر ہوتی ہے اور دوسرے کے نام موت تو ایک ہم کیا اندھا بھی اس کا ذمہ دار حکم کو نہیں اس ملعون کو قرار دے گا جو ایک حصہ کے واسطے تو بآواز بلند کلمہ توحید پڑھتا ہے اور دوسرے کے واسطے خراٹے لینے لگتا ہے۔

اب رہا عورتوں کا معاملہ ان کا کام یہ تھا کہ وہ مظالم کا انسداد کرتیں۔ نکاح اور چیز ہے نتیجہ نکاح اور چیز، ان کو نتیجۂ فعل سے بحث کرنی تھی نہ کہ فعل سے۔ کثرت ازدواج کے فعل کے جو نتائج ظہور میں آئے ہیں ان کے جگر خراش ہونے میں کسی مسلمان کو کلام نہیں ضرورت تھی اشد تھی اور بیشک تھی اگر مرد اس قابل نہ تھے تو وہ خود اپنی تکلیف کا علاج کرتیں اور کوشش کرتیں کہ مسلمان دلوں پر یہ نقش ہو جائے کہ جب تک حکم کا کوئی ذرہ بھی تعمیل سے ساقط ہے اسپر تعمیل کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے عقد ثانی کے واسطے جو شرائط مقرر کی ہیں اگر مسلمان ان کی تعمیل نہیں کرتے تو ان کا اسلام جھوٹا اور دعویٰ غلط۔

تھانہ دار صاحب مسلمان تھے ان کو دوسرے نکاح کی اجازت اسلام نے دی تھی کچھ اعتراض نہیں مگر کیا اسلام نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ایک آنکھ میں لہر بہر، ایک آنکھ میں خدا کا قہر ایک گھر کی ملکہ اور دوسری گھر کی لونڈی ایک بنے بیگم اور دوسری بنے باندی

بخار روز بروز ترقی کرتا گیا پہلے حرارت تھی جب توجہ مطلق اور علاج بالکل نہ ہوا کوفت بدستور اور چلت اسی طرح رہی تو مرض کی ترقی ظاہر تھی پہلے یہ تھا کہ ہفتہ میں دو ایک مرتبہ دو چار گھڑی کو حرارت ہو جاتی پھر یہ ہوا کہ کوئی دن ناغہ نہ ہوتا روز رات کو سوتے وقت بالآخر حرارت بڑھتے بڑھتے بخار ہوا اور ہوتے ہوتے یہانتک کہ روز چڑھتا اور گھنٹوں ۔

ہم ہرگز اس معاملہ میں بیوی کو ذمہ دار قرار نہ دیں گے کہ اس نے بیماری کی خبر شوہر کو نہ دی اس کمبخت کے دل میں اگر ایمان ہوتا تو بیمار کی صورت اور مریض کی حالت چھپی نہیں رہتی مگر افسوس یہ ہے کہ ایک گھر کے گھر میں دن رات کا رہنا سہنا ہر وقت کا اٹھنا اور بدنصیب کی بیماری تک کا علم نہ ہو نکاح کو مشکل سے ایک سال ہوا ہو گا کہ مریضہ کی حالت ردی ہو گئی اور چلنا پھرنا مشکل ہوا گو اس وقت شوہر کی کوئی خدمت بدنصیب بیمار کے متعلق نہ تھی اور نکاح کے بعد ہی سے تھانہ دار صاحب نے پہلی بیوی کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کیا تھا۔ تاہم وہ اپنے عقیدہ کے موافق جس طرح بھی ہوتا اور جتنا کچھ بھی ہوتا اپنے فرائض کی ادائگی میں تساہل نہ کرتی مثلاً جب تک ہاتھ پاؤں اس قابل رہے نماز کے وقت اٹھی ابھی دونوں میاں بیوی بے خبر پڑے سوتے ہیں کہ اس نے جھاڑو دیکر گھر چندن کر دیا۔ شوہر کے آنیکا وقت ہے۔ جانتی تھی کہ حقہ کے دھتیا ہیں گئی چپکے سے آگ سلگائی حقہ بھر خاموش آ بیٹھی، ان باتوں کا شوہر کو علم بھی نہ ہوتا مگر وہ اپنا کام بدستور انجام دیتی۔ اور جب تک ہاتھ پاؤں نے ساتھ دیا اپنی طرف سے کمی نہ کی کھانا ڈیڑھ آدمی کے واسطے ایک

ایک ماں آٹھ نو برس کی بچی کیا الگ پکتا حشمت جو کچھ پکا پکایا بھیجدیتی وہی دونوں ماں بیٹیاں صبر و شکر کرتیں اور کھا لیتیں کچھ یہ نہ تھا کہ حشمت کے ڈر سے یا اس کی آزردگی کے خیال سے تھانہ دار صاحب پہلی بیوی کی طرف متوجہ نہ ہوتے ہوں حشمت ہر مہینے دو ایک روز کے واسطے میکہ جاتی تھی اور اس کی عدم موجودگی میں اگر شقی القلب انسان ہوتا تو زیادہ نہیں اسکی خیر و عافیت ہی دریافت کر لیتا یہ وہ وقت تھا کہ مریضہ کی صورت مُردوں سے بدتر تھی خوشی اور رنج آدمی کی صورت سے ٹپکتا ہے مگر اس کے چہرہ پر موت کے آثار نمایاں تھے ، ایک رات کا ذکر ہے حشمت میکے گئی ہوئی تھی شام کے وقت پانی زور شور سے پڑ رہا تھا ، بیمار لیٹی ہوئی اپنی حالت پر غور کر رہی تھی کہ تھانہ دار صاحب کسی ضرورت سے باہر نکلے اور فوراً ہی اندر چلے گئے جس روز سے شوہر نے بات کرنی چھوڑی تھی اسی دن سے بیوی نے بھی اپنی طرف سے کوئی بات نہ کی اکثی دفعہ ضرورت بھی ہوئی دو چار دفعہ قصد بھی کیا مگر ہمت نہ پڑی اب چونکہ زندگی کی تمام امیدیں ختم ہو چکیں تھیں اور موت ہر وقت پیش نظر تھی اس وقت کو غنیمت سمجھ کر دل کڑا کیا اور اٹھی بخار اس وقت بھی شدت سے چڑھا ہوا تھا اور کھانسی دم بھر کو چین نہ لینے دیتی تھی مگر کانپتی ہانپتی اٹھتی بیٹھتی اٹھی بیٹھی گرتی پڑتی آگے بڑھی اور شوہر کے کمرہ میں پہنچی ، تھانہ دار صاحب نہ معلوم کس خیال میں غرق تھے کہ نگاہ بیمار بیوی کے چہرہ پر پڑی اور اس کے ساتھ ہی مظلوم کا سر قدموں میں تھا متحیر ہو کے اٹھے سر اٹھایا تو آج نو دس مہینے بعد معلوم ہوا کہ بدنصیب بخار میں کھلس رہی ہے۔

شوہر تم کو آج حرارت معلوم ہوتی ہے ، خیر صلاح کیا ہوا۔

بیوی کچھ عرض کرنے آئی ہوں ،

شوہر کہو شوق سے مگر ایسی بات نہ کہنا جس سے مجھ کو اذیت ہو ،

بیوی تمکو اذیت دیکر کیا خوش ہونگی کچھ کہنا بھی نہیں ایک درخواست ہے۔

شوہر: ضرور کہو

بیوی: میں بیمار ہوں مگر اس لئے نہیں کہ تم سے علاج کی درخواست کروں جب تک مرض قابل علاج رہا تم کو اطلاع تک نہ دی اب چونکہ لا علاج ہے اس لئے ایک التجا ہے۔

شوہر: موت کا بھروسہ کس کو کیا خبر کون پہلے مرے میں یا تم اس وقت تمکو حرارت تو ضرور ہے اور اعضا شکنی مجھے بھی ہو رہی ہے۔ یہ مرطوب ہوا کے دن خراب ہیں بھادوں کا مہینہ گھر کے گھر پڑے ہیں اندیشہ کی کیا بات ہے بلکہ صحت کے اعتبار سے تم پہلے سے بہتر ہو کہ سانس کا دورہ عرصہ سے نہیں ہوا رہی کمزوری یہ تمہاری اپنی غلطی ہے کہ گھل رہی ہو، تمہاری وجہ سے میں تو اپنی زندگی برباد نہیں کر سکتا تھا،

بیوی: مجھے ہرگز حق نہیں کہ میں تم سے دوسرے نکاح کی شکایت کروں تم کو شرعاً اجازت تھی تم نے جائز کیا میں ایک گنہگار عورت خدائی فیصلہ میں کیا دخل دونگی، رہا یہ کہ اس کے بعد تم کو میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے تھا اس کو تم خود مجھ سے بہتر سمجھ سکتے ہو اگر میں واقعی اس سلوک کی مستحق تھی تو میری تقدیر یا ور اگر تم نے لاپروائی کی اور یہ مواخذہ تمہاری ذات پر رہا تو میں اپنے تمام حقوق جو تم پر تھے اور تم نے پورے نہ کئے خدائے واحد کو شاہد کر کے اس وقت معاف کرتی ہوں مجھے اعتراف ہے کہ ایک بیوی کو جو خدمت کرنی چاہئے وہ مجھ سے نہ ہو سکی، مجھے اقرار ہے کہ جو آرام ایک شوہر کو بیوی کی ذات سے پہونچنا چاہئے تھا وہ مجھ سے نہ پہونچا۔ یہ میری بدنصیبی کا ثبوت ہے مگر تم اس کا یقین کرو کہ اب میری زندگی ختم کے قریب ہے اور جس طرح جن آنکھوں سے تم مجھ کو میکے سے دلہن بنا کر اس گھر میں لائے تھے اسی طرح ان آنکھوں اور انہی ہاتھوں سے اس اصل گھر میں جسکا نام قبر ہے دفن کر دینا میری ماں زندہ اور میرا باپ موجود ہے اور مجھے یقین ہے کہ میں ان کے پاس خوش رہ سکتی تھی - خیر

بحث کی ضرورت نہیں وہ جب سنیں گے وہ چار گھڑی کو روتے پیٹتے آئیں گے اور چیختے چلاتے چلے جائیں گے، ان کے احترام میں فرق نہ آنے دینا کہ وہ تم سے بدظن ہوں، معافی مہر کی یہ تحریر موجود ہے، خدا تمکو نصیب کرے یہ تھوڑا ساز یور تمہارے پاس امانت رکھواتی ہوں ملکیت میری ضرور ہے مگر تمہاری اجازت کے بغیر مجھے اسکی تقسیم کا اختیار نہیں اگر تم پسند کرو اور مناسب سمجھو تو یہ میری معصوم بچی کا حق ہے اس کو دیدینا۔

میں نے مرض اپنے پیچھے جان کر نہیں لگایا وقت نے مجھ سے موافقت اور زندگی نے وفا نہ کی اس ایک سال میں میری آنکھوں نے جو جو کچھ دیکھا وہ تم بھی دیکھتے رہے ہو۔ مگر کٹ جائے یہ زبان اگر لب پر شکایت آئی ہو تم نے ان ہاتھوں کو کچھ کہہ کر ہاتھ میں لیا تھا اور تم نے اس چہرے سے کچھ کہتے ہوئے گھونگٹ اٹھایا تھا!! اتم کو یاد نہ ہو خیال نہ ہو مگر میرے دل پر ابھی وہ الفاظ نقش ہیں اور صرف موت ان کو بھلا سکتی ہے۔ تم نے یہ ہاتھ جو ہمیشہ بلند رہے چشم زدن میں زیر کر دئے، اور یہ آنکھیں جو ہمیشہ شیر رہیں آناً فاناً دوسرے کا منہ تکنے والی بنا دیں ان کا منہ خوشامد کرتے کرتے خشک ہوتا تھا انہوں نے بات کرنی بھی چھوڑ دی جس سیج پر عورت کبھی تک بیٹھنی روا نہیں رکھتی اس پر سوکن آگئی مگر تیوری پر بل نہ آیا، میں نے ہائے ہائے کی اور تم نے نئی دلہن کے ساتھ قہقہے لگائے مجھے پینے کا شربت نصیب نہ ہوا اور تم نے روپے انعاموں میں دئے لیکن مسلمان ہو ایمان سے کہنا کبھی ایک حرف زبان سے نکالا ہو تو آج منہ پر رکھدو!

اتنا ضروری ہے جب نہ تھا اب ہے کہ خطادار میں تھی قصور مجھ سے ہوا تھا، معصوم بچی بیگناہ لڑکی کس جرم اور کس قصور میں ایسی خطادار ٹھیری کہ صبح سے نہار منہ ایک ٹانگ سے بچھری اور دن کے دو بجے کھانا نصیب ہوا مجھے اس کی شکایت کا حق نہیں تم دشمن نہ اور دوست تمہاری اولاد ہے رکھا جس طرح چاہا اور رکھو گے

جس طرح چاہو گے لیکن آج منت سے خوشامد سے ہاتھ جوڑ کر ایک عرض کرتی ہوں ماں کے بعد خدا تمہارا سایہ ہمیشہ رکھے۔ اب اس بچی کا کوئی نہیں مجھے اسکی طبیعت سے امید ہے کہ وہ مری ہوئی ماں کے مردہ کو بدنام نہ کرے گی لیکن زمانہ نازک اور وقت ٹیڑھا ہے اگر اس کی کوئی خطا کان تک پہونچے تو اچھی طرح تحقیقات کر کے سزا دینا"۔ سنگدل شوہر خاموش بیٹھا بیوی کی گفتگو سن رہا تھا اب آنسو کی کثرت نے بیوی کی زبان بند کر دی وہ پھر ایک دفعہ قدموں میں جھکی اور کہا۔

"یہ آنسوؤں کے قطرے بخار زدہ آنکھوں سے نکلے ہیں اس التجا کی شرم اور ان آنسوؤں کی لاج رکھنا"

(۸)

بہن بھانجوں کے دفن کے بعد قدیر دن رات اسی سوچ میں رہا کہ تینوں کی موت کا بار میری گردن پر تو نہیں کئی دفعہ بیوی سے مشورہ ہوا مگر معقول نتیجہ نہ نکلا۔ اگر فیروزہ اس موقعہ پر اس خواب کا حال بیان کر دیتی تو قدیر کی طبیعت سے تعجب نہیں کہ وہ اس کو تسلیم کر لیتا مگر نہ معلوم کس مصلحت اور ضرورت سے فیروزہ نے وہ خواب محفوظ رکھا اور شوہر سے کیا کسی سے بھی ذکر نہ کیا ہاں اتنا ضرور ہے کہ جب کبھی وہ تنہا ہوتی یا بچھونے پر لیٹتی تو اس خیال سے کانپ جاتی اور سمجھ لیتی کہ یہ ظلم دیکھئے کیا نتیجہ دکھاتا ہے۔

دوپہر کے وقت ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ قدیر کی زبان سے نکلا "چھلی آپا کی خودکشی غضب ڈھا گئی۔ دونوں بچوں تک کو ساتھ لے گئیں، وقت کی بات ہے کہ ان کو اس قدر ناگوار ہوا ورنہ دادا جان سے تو میں نے سنا ہے کہ بڑی پھوپی جان کی تو ڈولی تک چھوٹے چچا کے نکاح میں نہ اترنے دی"۔

فیروزہ اپنی آگ سے زیادہ پرائی آگ نہیں ہوتی ہم نے اگر پرائی کی ہی تو ہمارا خدا دیکھتا ہے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ عزیزوں کے بھائی کے نکاح میں بھائی کی رانڈ

لڑکی نے آکر سہرے کو ہاتھ لگا دیا۔ دولہا نے چھپٹ کا کبھی تو نہ کھایا دلہن کا منہ تک دیکھنا نصیب نہ ہوا رستے ہی بجلی گری۔

قدیرہ یوں تو پھوپی ملکہ ہی کو لو خود ان منجھلی آپا ہی کو دیکھو پھوپی ملکہ کے بیاہ میں پچھی جان بیوی کی نیاز پڑا نہیں اسوقت سنتے کہا کہ خدا خیر کرے وہی ہوا کہ بچاری رانڈ ہوئیں ان ہی منجھلی آپا کے ہاں بھی یہ ہی ہوا کہ نصیبا کی ماں سامنے کھڑی تھی جب بھائی صاحب اندر آئے پہلے پہل اسی کی صورت پر نظر پڑی۔ آخر نہ رہے اور چل بسے۔

فیروزہ یہ تو بڑوں کا تجربہ ہے کوئی دل سے لگائی باتیں تو ہیں نہیں جو ہم گنہگار ہوں

قدیرہ میں پہلے ان باتوں کو وہم سمجھتا تھا اور اب ڈانواڈول ہوں مگر چند واقعات اس قسم کے پیش آگئے کہ کچھ نہ کچھ اصلیت تو ضرور ہے۔

فیروزہ یہ وہم کی کیا بات ہے جو کم بخت ایسی ڈائن نکلی کہ میاں کو چٹ کیا اس کے منحوس ہونے میں کس کو کلام ہے اس کا پرچھاں تو اں خدا دشمن پر بھی نہ ڈالے اگلے زمانہ میں تو ساحق سے چادوں تک حکم نہیں تھا کہ رانڈ کا ذکر بھی گھر میں ہو جائے اب وہ طریقے سے سب کچھ ہوتا ہے پھر دیکھ لو کوئی گھر بھی رانڈ سے خالی نہیں

قدیرہ۔ خیر مجھے تو یہ فکر ہے کہ کہیں میرے اوپر گناہ نہ ہوا ہو میں نے تو اپنی طرف سے ان کو اذیت پہنچائی نہیں ہاں اتنا قصور سمجھ لو کہ ان کو وہاں سے ہٹا دیا سو وہ بھی بچی کا معاملہ تھا اور مجھ کو اس کے آگے کچھ نہ سجھائی دیا۔

فیروزہ میں تو پہلے ہی کہہ رہی ہوں کہ اپنی آگ سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔

(۹)

فضول خرچی میں یوسف شاہی خاندان کیا مرد اور کیا عورتیں ایک سے ایک افضل تھے کھانے کا شوق اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ اگر بیوی کا بس چلے تو شوہر کی پگڑی تک بیچ کھا سے اور مرد کے اختیار میں ہو تو عورت کا دوپٹہ تک گروی رکھدے حشمت

نے آنکھ کھول کر جس کو دیکھا کھانے پینے کا دھتیا چاہے جوتی پاؤں میں نہ ہو مگر کھانے کے ساتھ پاؤ بھر بالائی ناغہ نہ ہونے پائے تھانہ داری کی تنخواہ ستر روپے اوپر کی لگ گئی تو روزی نہیں تو روزہ، کوئی اسامی آن پھنسی دو چار سو ہاتھ لگ گئے نہیں تو سارا مہینہ کورا گزر گیا مختصر یہ کہ تنخواہ اور آمدنی چھٹے مٹھوں میں ختم ہو جاتی پہلی سے پانچ روز پہلے ہی بلوں بلوں پڑ جاتی کہاں بیچاری پہلی بیوی کہ روپے ہاتھ میں آیا تو مر مر کر آٹھ آنے اٹھائے اور آٹھ لٹائے بچائے کہاں بی حشمت کہ روپیہ آئے اور سوا اٹھائے قرض ہو تو ہو مگر میٹھے چاولوں کی تہ میں پیڑے ضرور ہوں دوسرے نکاح کا بظاہر یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ کھانے پینے کو وہ چیزیں ہاتھ آنے لگیں جو پہلے برس میں دو ایک دفعہ ملجاتی تھیں تھانہ دار صاحب بیوی کے اس سلیقہ پر نہال نہال تھے اور یہ خیال تھا کہ بیوی کی دسوں انگلیاں دسوں چراغ ہیں. کھانا ایسا پکاتی ہے کہ دلی اور لکھنؤ کی باورچنوں کو مات کیا. دو بیویوں کے علاوہ دار وغہ جی کی ایک بیوہ چھوٹی بہن بھی تھی جس کی عمر اسوقت اکیس سال کی ہوگی۔ یہ خاندان یوسف شاہی لو نہ تھا کہ بیوہ عورت کے نکاح کا پیغام گالی سمجھا جاوے اور اگر کسی نے غلطی سے پیغام دیدیا تو ہزار گالیاں مل گئیں لیکن کچھ تو اس لئے کہ بیوہ بہن مفت کی ماما تھی، بچہ نہ کچا۔ نگوڑی ناٹھی اکیلا دم اور کچھ اس لئے کہ اپنا دل گوارا نہ کرتا تھا بھائی نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب بہن کا دوسرا نکاح نہ کرونگا۔ اتفاق سے کوتوال شہر ایک معقول مسلمان تبدیل ہو کر آئے اور انہوں نے لاعلمی میں اپنے چھوٹے بھائی کا پیام جس کی بیوی اس سال مری تھی تھانہ دار کو دے دیا۔

تھانہ دار۔ آپ نے اس معاملہ پر غور کرنے سے پہلے درخواست کر دی شاید آپ کو معلوم نہیں کہ میں نکاح ثانی معیوب سمجھتا ہوں۔

کوتوال خوب! مجھے علم نہ تھا کہ آپ مسلمان ہو کر ایسا خیال کرتے ہیں۔

تھانہ دار مسلمان اور غیر مسلمان دوسری چیز ہے، نکاح دوسری دیہات کے رہنے والے آن پر جان دینے والے لوگ ہیں ہمارے ہاں بیوہ کے نکاح کی رسم نہیں ہے

کوتوال میں آپکے خاندان یا آپ کے دیہات کو برا نہیں کہتا جہاں جہاں یہ رسم جاری ہے وہاں مردوں کی نفسانیت اور خود غرضی کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا خود تو بیوی کے مرتے ہی دوسرا نکاح کرلیں بلکہ ساٹھ برس کی عمر ہو تو پندرہ برس کی دلہن بیاہ لائیں اور وہاں بیوی کے بعد کیوں بیوی کی زندگی ہی میں اور دوسری کیسی تیسری اور چوتھی بھی اور عورت غریب کو چاہے وہ چند مہینوں کی بیاہی رانڈ ہو جائے دوسرے نکاح کی اجازت نہ دیں شرع اسلام کی تعمیل پر ادہر اتنے پکے ادہر اتنے کچے

تھانہ دار مگر یہ رسم تو بزرگوں سے چلی آرہی ہے اب اس میں کسی کی کیا مجال ہے کہ جو ترمیم کر سکے اور جناب عالی اصل بات یہ ہے کہ اپنی طبیعت بھی گوارا نہیں کرتی کہ عورت ایک مرد کے بعد دوسرے مرد کا منہ دیکھے یا دکھائے۔

کوتوال تھانہ دار صاحب آپ کیسی بچوں کی سی باتیں کرتے ہیں بزرگوں کی تو بہت سی ایسی باتیں ملیں گی جو آپ نے قطعاً چھوڑ دیں اور وقت آپ کو تجربہ سے بتا رہا ہے کہ پابندیٔ رسوم امر پسندیدہ نہیں ایک زمانہ تھا ہمارے بزرگ تعلیم نسواں کے سخت خلاف تھے اب وہ خیال یا رسم رفتہ رفتہ کمزور ہو رہی ہے۔ رہا آپ کی طبیعت کا معاملہ کس قدر ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ اپنے نفس کی تعمیل میں دنیا کی ہر شے کو ہیچ سمجھیں بچے موجود ہوں بیوی زندہ ہو مگر کوئی نہ کوئی عیب کچھ نہ کچھ خرابی نکالکر جھٹ دوسرا نکاح کرلیں لیکن لڑکی بیچاری اگر بیوہ ہو گئی تو تمام عمر دنیا کے ہر لطف سے محروم ہو جائے اس صریح ظلم پر جو آپ یا میں یا مسلمان جائز سمجھیں اور روا رکھیں ہمارا دعوئے اسلام کس قدر افسوس کی بات ہے۔ آپ شب و روز جو کام کر رہے ہیں اس کا منشا ہے کہ واقعی مجرم سزا پائیں اور بیگناہ رہائی لیکن اگر آپ ہی مجرموں کو رہائی اور بیگناہوں کو سزا

ولولے پر آمادہ ہو جائیں تو کیا آپ اس سے خوش ہونگے کہ کچھ لوگ آپ کو اچھا کہیں۔ اگر آپ اس آن کو جو یقیناً لغویت ہے توڑ کر اسلام کے احکام کے موافق بیوہ کا نکاح جائز سمجھیں تو دین اور دنیا دونوں سرخرو ہوں۔ آپ نے شاید یہ نہ دیکھا۔ مگر میری آنکھیں بدنصیب بیوہ عورتوں کی حالت زار دیکھ چکی ہیں میری رائے میں قیدیوں کو جیل خانہ میں پرندوں کو پنجرے میں بکریوں کو کمیلے میں جو اذیت ہوتی ہے قریب قریب وہی حالت ایک بیوہ کی شوہر کے بعد ہوتی ہے۔ دنیا کی کونسی خوشی ہے جس میں وہ شریک اور کونسا لطف ہے جس میں وہ شامل ہو سکتی ہے۔ اچھا کپڑا اس کے واسطے گناہ بناؤ سنگھار اس کے واسطے مذموم کہیں جانے کی اجازت اسے نہیں کسی سے ملنے کا حکم اس کو نہیں زندگی اس کو وبال اور جینا اس کو عذاب ایک بیکار زندگی ہے جو ایک انسانی صورت میں اپنے دن پورے کر رہی ہے کیا آپ کی رائے میں وہ دیکھنے والے جو مظلوم بیوہ کی یہ حالت اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور مدد نہیں دیتے قیامت کے روز مواخذہ کے قابل نہیں۔ میں نے سنا ہے اور پڑھا کہ مَنْ اَعَانَ مَظْلُوْمًا اَعَانَہُ اللہ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ جو شخص مظلوم کو مدد دیگا قیامت کے روز خدا اس کی مدد کرے گا۔ میں تو کہتا ہوں کہ بیوہ سے زیادہ مدد کے قابل اور کوئی مظلوم نہیں دوسرے لوگوں کو جو اذیت دنیا میں پہنچ سکتی ہے یا جو ظلم کسی ظالم کی طرف سے ہو سکتا ہے وہ وقتی ہے کہ ایک خاص وقت تک ہوا اور جاتا رہا۔ لیکن بیوہ کی حالت ابدی ہوتی ہے جو تادم واپسیں ہر لمحہ روز افزوں ہے اس کی بدنصیبی ہر وقت ترقی کرتی ہے۔ اور اس کے مصائب ہر لمحہ بڑھتے ہیں کبھی بڑے بڑے شہروں میں تم نے دیکھا ہو گا کہ شام کے وقت چڑی مار پرند پکڑ کر سر راہ کھڑے ہو جاتے ہیں رحم دل جب ادھر سے گذرتے ہیں اور ان بے زبان جانوروں کو تڑپتا دیکھتے ہیں تو دل کٹ جاتا ہے اور چڑی ماروں کو

قیمت دیکر پرندوں کو چھٹوا دیتے ہیں صرف اس لئے کہ داخل ثواب ہوں ہی کیفیت بیچاری بیوہ عورتوں کی ہے اور ہم جو ان کا نکاح خلاف عزت سمجھتے ہیں ، ان چڑیماروں سے کم نہیں جو پرندوں کو قید کر کے ان کی آزادی سلب کر لیتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ آپ میری درخواست منظور فرمائیں اور میری بھائی کو اپنی غلامی میں لیں۔ ہاں یہ ضرور کہونگا کہ آپ اپنے خیالات کو تبدیل کیجئے اپنی رسم قبیح اور اس آن کو توڑئے اور لغویات کو چھوڑئے۔

تاریخ دنیا میں جو تاریک پہلو عرب کے زمانہ جاہلیت کا ہے اور اس کا وہ تمدن جو لڑکیوں سے متعلق ہے بے مثل ہے معصوم اور بے زبان بچیوں پر جو مظالم اسوقت ٹوٹے اس کی مثال اس کے بعد نہ ملی اور یقین ہے کہ کبھی نہ ملے گی مجھے معلوم ہے کہ ستی کی رسم اس سے کم خطرناک اور جگر خراش نہیں لیکن میری رائے میں تو بیوہ کا نکاح نہ کرنا اس سے بھی زیادہ ظلم ہے اور مسلمان پھر پھر اکر اسی رسم پر آگئے کہ زندہ در گور کر رہے ہیں ۔ یہ رسم ایک خاص مدت تک جاری رہی یہاں تک کہ اسلام ان کی حمایت کو اٹھا اور معصوم ہستیوں کو سنگدل ہاتھوں سے رہائی دلوائی لیکن اب بھی جبکہ مسلمان بیوہ کا نکاح جائز نہیں سمجھتے کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام نے عورت کی کچھ بھی قیمت کی میرے عزیز دوست آپ اپنے مذہب کو کس بری طرح بدنام کر رہے ہیں وانکحوا الایامی آپ کے یہاں صریح فیصلہ ہے۔ کیا اس کی مخالفت پر بھی آپ مسلمان ہونیکے اور کہلانے کے مدعی ہیں۔

میں پھر دہی عرض کرونگا کہ اس تقریر سے میرا مطلب حاشا و کلا یہ ہرگز نہیں کہ میری تجویز پر آپ توجہ فرمائیں بلکہ صرف یہ کہ آپ اس رسم کو اپنے تمدن سے دور کیجئے اور جس طرح آپ نے اپنے حق عورتوں سے لئے اسی طرح انکے حق ان کو دیجئے۔

---

(۱۰)

جب خود تمہارے والدین اس بات کے خواہشمند ہیں کہ چند روز کے واسطے تم کو اپنے گھر لیجائیں اور تم کو یقین ہے کہ مرض روز بروز ترقی کر رہا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ تم نہ جاؤ میری طرف سے تمکو اجازت ہے۔

ساجدہ۔ اباجان اور اماجان دونوں کا اصرار ضرور ہے اور مصلحت بھی یہی ہے کہ میں وہاں جاکر اپنا علاج کرلوں مگر طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ تمہاری خدمت سے جدا ہوں میں اب بھی ہر وقت بیکار پڑی رہتی ہوں کسی قسم کی مدد کے قابل نہیں وہاں جاکر مرگئی تو دنیا کے ساتھ میرا دین بھی برباد ہوا۔

تھانہ دار، کیوں دین کیوں برباد ہوگا۔

ساجدہ، اس لئے کہ تمہارے سامنے تمہارے در پر موت آئی تو تمہارے ہاتھوں پیوند زمین ہو کر آرام سے مرتی اور اطمینان سے اٹھتی،

تھانہ دار، ان باتوں کو چھوڑ دو اور بسم اللہ کرو، میں وہاں بھی تمہارے پاس آنیکی کوشش کرونگا۔

ساجدہ، میری صحت اور زندگی تو یہی ہو کہ تمہاری خدمت میں موجود رہوں،

تھانہ دار، مگر میں تمہارے والد صاحب کی درخواست رد نہیں کرسکتا،

ساجدہ۔ میں حیران ہوں کہ بیماری کا علم ان کو کیونکر ہوا میں نے جب تم ہی سے ذکر نہیں کیا تو ان سے کیا کرتی،

تھانہ دار، میں نہیں کہہ سکتا،

تھانہ دار صاحب کی بڑی بیوی ساجدہ میکے جانے سے انکار کر رہی تھی اور تھانہ دار اصرار۔ کچھ دیر تک میاں بیوی میں بحث ہوتی رہی ابھی کچھ نتیجہ نہ نکلا تھا کہ ایک ماما نے آکر ساجدہ کو خط دیا اس نے کھولا اور با آواز بلند اس طرح پڑھنا شروع کیا،

نور چشمی ساجدہ بیگم، تم نے تحریری یا زبانی اشارتاً یا کنایتاً اسوقت تک اپنی بیماری کی اطلاع مجھ کو یا ماں کو یا بھائی کو یا بہن کو کبھی نہ دی پرسوں شام کو ایک عرصہ کے بعد تمہارے میاں آئے تو کیفیت معلوم ہوئی کہ نوبت یہاں تک پہونچ گئی۔ میں باپ ہوں ماما ہے خواہش جائز اور کوشش فطرت ہے کہ علاج کراؤں دولت قربان اور جان نثار کردوں لیکن یہ توقع کہ تم اپنے فرائض میں غفلت کرو اور میری خواہش کو ترجیح دو غلط یقیناً غلط، اگر تمہارا دل گوارا تمہاری طبیعت برداشت اور تمہارا ایمان روا نہیں رکھتا کہ تم شوہر کا گھر چھوڑ کر میرے در پر آؤ تو مجھکو مجبور کرنے اور تمکو تعمیل کرنیکا حق نہیں ہمارا حق اس روز ہمارا زور اس گھڑی ہمارا دعویٰ اس وقت جب اسلام نے تمکو نکاح کے ذریعہ سے شوہر کی ملکیت بنا دیا ختم ہوا، تم اور وہ جو تمہارا مالک ہے تم اور وہ جو تمہارا مجازی خدا ہے تم اور وہ جو تمہارا شوہر ہے خاوند ہے آقا ہے۔ اگر ہمارے حقوق تسلیم کرو ہماری محبت کی قدر کرو، ہماری ماما کی وقعت سمجھو تو تمہارا احسان تمہارا کرم تمہارا شکریہ ورنہ گلہ نہ دعویٰ شکوہ نہ شکایت۔ موت ایک دفعہ آنی اور جان ایک دن جانی ہے لیکن خوش نصیب ہے وہ عورت جو شوہر کی آنکھوں کے سامنے زندگی کو رخصت اور دنیا کو وداع کرے میرا اصرار ماں کی محبت اور میری شفقت کا اظہار تھا ورنہ میں جانتا ہوں مجھے علم ہے میرا عقیدہ ہے کہ سسرال کے پتھر میکے کے پھولوں سے شوہر کی نفرت باپ کے پیار سے اور اپنے گھر کے چنے ماں کے گھر کے قورمے سے ہزار درجہ افضل و اعلیٰ اور بہتر۔

اگر تمہاری رائے میں تمہارے خیال میں تمہارے قیاس میں مصلحت اور ضرورت اور حاجت یہ ہے کہ تم وہاں رہو یہاں نہ آؤ تو مجھے ناگوار نہیں سچ پوچھو تو ہماری طرف سے وداع ہو چکی کہنے کو عارضی ہو مگر حقیقتہً حقیقی تھی لڑکی کی شادی میری رائے میں سمندر کا غوطہ ہے خواہ موتی نکلیں یا کنکر۔

ہم تو آج کیا اس دن سے تم کو رو چکے جب تم ہمارے گھر سے رخصت ہو کر سسرال پہونچیں تقدیر اچھی ہوتی خوش رہتیں آباد رہتیں مقدر درست نہ تھا پھولوں بھری سیج کانٹوں سے اور موتی بھرا تھال کنکروں سے پلٹ گئی اور بدل گیا،

تم ہمیشہ نہیں کبھی اور ہر وقت نہیں تو کسی نہ کسی وقت زبان سے نہیں تو دل میں کہتی ہو گی کہتی نہ ہو گی خیال آتا ہو گا اور ضرور آتا ہو گا کہ باپ نے فرض کی ادائیگی میں توجہ سے کام نہ لیا نکاح کر دیا مگر بے سوچے رخصت کر دی لیکن بغیر سمجھے ضرورت تھی اور اچھی طرح مناسب تھا اور پورے طور پر کہہ کر جانچ کر تول کر ہاتھ میں دیتے، میں تمہارا اس خیال کا شرمندہ ضرور ہوں اور کہوں گا، کہوں گا کیا کہنا پڑے گا کہ میرا انتخاب تمہارے واسطے عذاب ہو گیا۔ اور جن آنکھوں سے توقع تھی کہ محبت کی نظریں اٹھیں گی ان سے زہر ٹپکنے لگا۔ مگر پیاری بچی گنہگار باپ بے قصور ہے۔ اور اس کا شاہد خدا سوا کوئی نہیں کہ اپنی طرف سے اطمینان میں اور اپنے طور پر تحقیقات میں کمی اور کسر کی

تم کہو نہ کہو بتاؤ نہ بتاؤ مگر مجھے معلوم ہے کہ تمہارے شوہر کا نکاح ثانی موت کا بہانہ اور علالت کا عذر ہو گیا لیکن تمہارا خیال غلط تمہارا ملال جھوٹا تمہاری رائے مگر تو تمہارا قیاس بودا تمہاری بیماری ظاہر تمہارا دورہ روشن کوئی وجہ نہ تھی کوئی سبب نہ تھا کہ ایک شخص اپنی زندگی تمہاری وجہ سے برباد کرتا۔

جو ہونا تھا وہ ہو گیا سوچنا یہ کہ اب کیا کرنی زندگی بھلی یا بُری جیسی گزرنی تھی گزر گئی، اب موت ایک اور زندگی شروع کرے گی وہ زندگی خوشگوار ہو اور وہ شوہر کی دلہن بننے والی ہو اور جس کی سیج جنگل بیابان کی قبر ہو گی تم سے خوش رہے سسرال کے لوگ فرشتے اور حوریں تمہاری ہستی سر آنکھوں پر رکھیں اور تم آئندہ نسلوں کے واسطے ایسا سبق چھوڑ جاؤ کہ دنیا تمہارے نام پر فخر کرے اور بیویاں تمہارے قدموں کی خاک کا سرمہ بنائیں۔

ماں تم سے راضی ہیں تم سے خوش اِدھر کا بیڑا پار ہے۔ اب کامیابی کا انحصار اور راحت ابدی کا دارو مدار صرف شوہر کی فرمانبرداری رہا۔ اگر اس منزل میں قدم ڈگمگا گیا۔ اس رستے میں تیوری پر بل لے آئی۔ اس سفر میں ہاتھ پاؤں کپکپا گئے تو ادھر سے بھی گئیں اور ادھر سے بھی آزمائش کا موقع اور امتحان کا یہی وقت ہے سینے پہ آرے کلیجہ پہ چھریاں اور زخموں پر تیر چلیں مگر زہر کا گھونٹ شہد اور تلخی کا ہر قطرہ شربت ہو"

ساجدہ نے یہ خط پڑھا اور میاں کو سنایا اکثر جگہ اس کی آنکھ میں آنسو آئے مگر جس وقت اس نے یہ آخری سطر پڑھی کہ۔

"بیٹی یاد رکھنا عورت کی مصیبت اس کی شرافت کی کسوٹی ہے کوشش کرنا کہ باپ دادا کی آبرو میں فرق نہ آنے پائے اس دنیا کو خیر باد کہو اور اب ادھر کی لو لگاؤ جہاں ہمیشہ رہنا اور سدا سہنا ہے ساجدہ منزل کڑی اور رستہ ٹیڑھا ہے۔ خدا کا نام لو بسم اللہ کرو اور اب اس منزل میں قدم رکھو"

تو اس کو چکر آ گیا اور بیٹھ گئی تھانہ دار بھی اس خط کو سن کر متاثر تو ضرور ہوا مگر اس کی دلی خواہش تھی کہ ساجدہ کسی نہ کسی طرح میکے چلی جائے اور گھر اس کے جھگڑے سے پاک ہو اس لئے وہ بدستور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ اب ساجدہ بھی مجبور اور خاموش تھی کہ ڈولی آ گئی اور بدنصیب بیوی شوہر کے ہاں سے روتی ہوئی روانہ ہوئی۔

(۱۱)

کلکٹر صاحب کے بنگلہ پر ان کے دو دوست ایک ایک رات کے واسطے آکر ٹھیرے ایک تین بجے رات کے چلے گئے دوسرے جس وقت چلنے لگے تو بیرے نے اطلاع دی کہ سونے کی گھڑی جو بکس کے اندر رکھی تھی غائب ہے اول تو کوٹھی کلکٹر صاحب کی دوسرے گھڑی جس کی وہ بھی کلکٹر مال کا ہضم ہونا اور واردات کا اخفا کرنا آسان بات

نہ تھی پولس میں اطلاع ہوئی تھانہ دار صاحب نے ہر چند کوشش کی مگر پتہ نہ چلا،
بمشکل تمام اتنا سراغ لگ سکا کہ صاحب کے دوسرے دوست کا بیرا نذیر جو تین بجے
رات کو صاحب کے ساتھ گیا۔ گھڑی لے گیا۔ اتنا پتہ لگتے ہی تھانہ دار صاحب نے
صاحب کو تار دیا کہ اپنے نوکر نذیر کو فوراً روانہ کر دیجئے۔

صاحب کو کیا عذر ہو سکتا تھا تار دیکھتے ہی بیرے کو بلایا اور کہا تم فوراً روانہ
ہو جاؤ۔ دوسرے روز صبح کو نذیر تھانہ دار صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ یہ تو کھلی ہوئی
بات تھی کہ کوٹھی بھی ایک کلکٹر کی گھڑی بھی ایک کلکٹر کی مگر دیکھنے کے قابل بات یہ تھی کہ
ملازم کسی گرے پڑے کا نہ تھا وہ بھی مجسٹریٹ تھا تھانہ دار نے دم دلاسا دیکر ہر چند
پوچھا نذیر صاف انکار کئے گیا۔ تھانہ دار نے حسب عادت سختی شروع کی اور جب
اس سے کام نہ نکلا تو ہنٹر ہاتھ میں لے کھال اڑادی مرتا کیا نہ کرتا جب تڑاتڑ ہنٹر
پڑنے لگے اور اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ بدبخت اقرار جرم کرے تو نذیر نے کہا جی
ہاں گھڑی موجود ہے۔

تھانہ دار کہاں ہے!

نذیر گھر پر رکھی ہے

تھانہ دار اچھا ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں

نذیر چلئے۔

تھانہ دار اور نذیر دونوں مع ایک سپاہی کے چلے اور دوپہر کے وقت پہنچے تو
نذیر نے تھانہ دار صاحب سے کہا کہ آپ یہیں ٹھیرئیے میں لاتا ہوں۔

اتنا کہہ کر نذیر صاحب کے سامنے گیا اور اپنے کپڑے اتار کر پھینکدیئے دیکھا
تو اس کی پیٹھ ادھڑی ہوئی تھی اور بدھیوں میں خون جھلک رہا تھا نذیر نے ہاتھ
جوڑ کر عرض کیا "میرا جسم ملاحظہ فرما لیجئے تھانہ دار نے کھال اڑادی ہیں آس نہ پاس

حضور کے ساتھ گیا ساتھ آیا ابھی گھر جانا بھی نصیب نہ ہوا تھا کہ حضور نے جانے کا حکم دیا فوراً روانہ ہو گیا۔ اب اس کے سوا علاج نہ تھا کہ چوری کا اقرار کر لوں اور اس بہانے سے حضور تک پہنچ جاؤں"۔

نذیر کا تمام بدن نیلا ہو رہا تھا صاحب نے اس سے صرف اتنا کہا کہ "ہم کچھ نہیں کر سکتے تم جاؤ اور تھانہ دار جانے" مگر اسی وقت ڈاکٹر کو بلوا کر اس کے جسم کا معائنہ کروا تحریر لے لی کہ سخت مار پڑی ہے۔

صاحب کے انکار سے نذیر روتا پیٹتا تھانہ دار صاحب کے ساتھ پھر واپس ہوا مگر تھانہ پہونچتے ہی کپتان صاحب نے طلب کیا اور باضابطہ مقدمہ قائم کر لیا تھانہ دار کی گرفتاری نے یوں تو تمام شہر میں تہلکہ مچا دیا تھا مگر جس وقت سے ساجدہ نے یہ خبر سنی اسکی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ اس کی حالت اس وقت ہمیشہ سے خراب تھی۔ مگر شوہر کے آگے وہ اپنا دُکھ اور تکلیف سب بھول بسر گئی ایک مشہور وکیل نے پانسو روپے پیشی پر رہائی کا وعدہ کیا افسوس یہ ہے کہ حشمت جس کی شادی کو پانچواں سال تھا اور جس نے پانچ سال تک متواتر سینکڑوں ہزاروں روپیہ شوہر کی کمائی سے لئے اور اٹھائے پانچ پیسے دینے کے قابل نہ نکلی، مگر ساجدہ جس کی چھاتی پر سوکن نے ہر وقت مونگ دلے اتنا سنتے ہی بے اختیار ہو گئی، اس نے اپنا تمام زیور اتار کر بیچ کا لیا اور ایک ہزار روپیہ جو اپنے پاس موجود تھا ساتھ لے ڈولی میں بیٹھ عدالت میں حاضر ہوئی جس وقت گرفتار تھانہ دار سامنے آیا اس نے اپنے پاس بلایا اور اسکے قدم چوم کر زیور اور روپیہ پیش کیا اور کہا یہ جو کچھ ہے تمہاری کمائی کا ہے اس کے صرف کی اس سے بہتر اور اس سے اشد ضرورت اور کونسی ہو گی یہ بھی عجیب نازک وقت تھا۔ تھانہ دار کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اپنی اذیت سے نہیں اس خیال سے کہ جس بیوی کے ساتھ میں نے یہ سلوک کیا وہ آج کس طرح

اپنی شرافت کا جوہر دکھا کر اپنا اثاثہ مجھ پر قربان کر رہی ہے اسکی زبان سے کچھ نہ نکلا مگر اس کے جسم کا ہر رونگٹا زبان حال سے شکر گذار تھا ساجدہ اسی طرح اپنے باپ کو ساتھ لے وکیل کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کو ہزار روپیہ نقد دیا اور وعدہ کیا کہ کامیابی کے بعد ایک ہزار روپیہ اور نذر کروں گی

وکیل کی کوشش کامیاب ہوئی اور تھانہ دار بری کر دیا گیا، مگر افسوس جس شخص نے بیوی کو بیمار سمجھ کر دوسرا نکاح کیا اور عین اسوقت جب رہائی کا حکم ملا شکریہ ادا کرنے کے واسطے بیوی کی ڈولی کی طرف جھکا فرط مسرت سے دل کی بیماری جس میں عرصہ سے گرفتار تھا رنگ لائی اور بے انتہا خوشی میں دفعتہً قلب کی حرکت بند ہوئی اور ساجدہ کے قدموں میں گر کر مر گیا۔

(۱۲)

بیوگی کی چادر سیاہ سر پر آئی تھی کہ حشمت کی تمام عزت و وقعت ختم ہوئی وہی ماں باپ جو سہاگن کے قدموں میں آنکھیں بچھاتے تھے شیر کی طرح گھورنے لگے ایک علیحدہ کمرہ اس کو مل گیا جہاں دن رات چوروں کی طرح حوالات میں بند پڑی رہتی برسات کے دن اور ساون کا مہینہ تھا دیوار بیچ حقیقی چچا کے ہاں لڑکے کا جھولا ہوا کنبہ کی عورتیں محلہ کی لڑکیاں سب جمع تھے خود قدیر کی بیوی فیروزہ چونکہ شوہر زندہ اور سہاگن تھی شریک ہوئی۔ مگر حشمت اس لئے کہ اب اس کو دنیا میں زندہ رہنے اور کسی سے بات کرنے ہی کا کوئی حق نہ تھا شریک نہ ہو سکی۔ شادیوں کے موقعہ پر جلسوں کے اتفاق بارہا ہوئے۔ دنیا شریک ہوئی لیکن حشمت کو اجازت نہ تھی، حالانکہ یہ سچ ہے کہ ایک روز دن کے وقت اپنے کمرہ میں بیٹھی کنگھی کر رہی تھی اور اتفاق سے دروازہ کھلا ہوا تھا قدیر آ گیا اور نظر بیٹی پر پڑ گئی دیکھتے ہی آنکھوں سے خون اتر آیا اور بیوی سے کہا "یہ ستم اور غضب ہے کہ رانڈ ہو کر بھی سر گوندھنے کا مزہ نہ گیا۔ کون اس کا دیکھنے والا

بیٹھا ہے جس کے لئے سر گوندہ رہی ہے ؟

فیروزہ مجھے تو خبر ہی نہیں ادھر بیٹھی ہوں ۔

قدیر، جاؤ ادھر جاؤ آنکھیں کھول کر دیکھو،

فیروزہ جا کر دیکھتی ہے تو واقعی حشمت سر گوندہ رہی تھی دونوں میاں بیوی کس پڑے

اس واقعہ کے بعد سے پھر بدنصیب کو سر گوندھنا تو درکنار ہنسکر بات کرنا بھی قسم تھا دن رات وہ تھی اور مرنے والے شوہر کی یاد کئی دفعہ قصد کیا کہ پھوپی کی طرح کھا کر مر جاؤں مگر اب قدیر نے یہ احتیاط کردی تھی کہ اس قسم کی کوئی چیز گھر میں نہ آنے پائے،

تھانہ دار کی زندگی میں حشمت ہمیشہ چوتھی کی دلہن تھی، سر سے پاؤں تک گوندنی کی طرح زیور میں لدی پھولوں میں بسی عطر میں ڈوبی، لیکن اب کیفیت یہ تھی کہ کپڑے میلے چکٹ سر بھولا ہوا بدن چھپا ہوا ہاتھ میں چوڑی نہ پاؤں میں لچھا،

قدیر کے لڑکے ظہیر کی شادی ٹھہری اور تین روز پہلے بندک بندا ہو گئی کہ حشمت اپنے کمرہ سے دن کے وقت باہر نہ نکلے مگر جیتی جان کے ساتھ ہزار ضرورتیں تھیں دلہن کا جوڑا کترا جا رہا تھا کہ حشمت باہر نکلی یہاں ہمکو قدیر اور فیروزہ سے جہاں اُن کے معاملہ میں کوئی شکایت باقی نہیں رہتی جن وہمیوں ناہنجاروں کو بیٹی کی صورت ناگوار ہوئی انھوں نے بہن کے ساتھ جو کچھ کیا وہ جائز بیٹی کا آنا دونوں ہی کو ناگوار ہوا اور تجویز یہ ہوئی کہ جب تک شادی نہ ہو حشمت کو سسرال بھیجدیں یوں بھی حشمت آتی جاتی رہتی تھی اس موقعہ پر خصوصیت کے ساتھ بھیجدی گئی،

تھانہ دار کا چھوٹا بھائی ہارون جواب تک پردیس میں تھا اور اب بھائی کے مرنے کی خبر سن کر آیا حشمت سے نکاح کا قصد کر چکا تھا کئی بار ارادہ کیا کہ نکاح کا پیغام دے مگر یوسف شاہیوں کی آن معلوم ہونے کے بعد کس کی ہمت تھی کہ پیام تو درکنار اس سلسلہ میں کوئی بات بھی زبان سے نکال سکتا، اسوقت حشمت بھی اپنی

موجودہ زندگی سے بیزار تھی اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر باقی اسی طرح سے بسر ہونی ہے تو موت زندگی سے بہتر ہے۔

حشمت ڈولی سے اتری تو ہارون کرسی پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا آواز سنتے ہی دروازہ پر آیا اور دیکھتے ہی کہنے لگا۔

اس وقت جو دعا مانگتا قبول ہوتی،

حشمت میری موت کی دعا کیجئے۔

ہارون توبہ توبہ کیا کہتی ہو یہ کہنے کی باتیں ہیں،

حشمت ہاں سچ کہتی ہوں اس زندگی سے موت بہتر ہے۔

ہارون یہ زندگی خود تمہارے اپنے اختیار میں ہے جس وقت چاہو بدل لو

حشمت نے اس کا جواب کچھ نہ دیا۔ مگر ہارون نے اس خیال سے کہ اپنے مقصد میں جلد کامیاب ہوجاؤنگا اسی روز بیوہ بہن کا نکاح کوتوال صاحب کے چھوٹے بھائی سے کر دیا

نکاح کے بعد ظہیرہ ہارون کی بہن کی دن رات یہ کوشش تھی کہ بھائی کا نکاح حشمت سے ہوجائے مگر یہ نکاح آسان نہ تھا۔ قدیرہ فیروزہ اور فرزانہ کو موت آجاتی تو عجب یہ ایک نکاح شاید ہوتا تو ہوتا، ہارون کی محبت کا اثر حشمت پر بھی اندر ہی اندر تھوڑا بہت ہو رہا تھا اور اگر باپ کی یہ سختی اور ماں کی زیادتی نہ ہوتی تو تعجب نہیں کہ وہ بقیہ عمر ہنسی خوشی میکے میں بسر کر دیتی اور نکاح ثانی کا نام نہ لیتی لیکن حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ اسکو زندگی کا ایک لمحہ وبال تھا کسی ماما مغلانی لونڈی باندی تک کو حکم نہ تھا کہ تنہائی میں جا کر اس سے بات کرے ممکن تھا اگر اس عرصہ میں کوئی بچہ ہوتا تو شاید وہی بیوہ کا دل بہلا دیتا۔ مگر یہ بھی نصیب میں نہ تھا، اب ہر وقت آئندہ زندگی کا چکر تھا اور وہ تھی شام کے قریب ایک روز وہ خاموش اپنے کمرہ میں لیٹی تھی کہ ظہیرہ

آئی اور اس کے پاس خاموش بیٹھ گئی،

ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد ظہیرہ نے کہا۔

"بھابی جان کچھ کہہ تو سکتی نہیں مگر آپ دیکھ رہی ہیں کہ چھوٹے بھائی جان کی حالت کیسی ہوتی چلی جا رہی ہے آخر آپ خود ہی کوئی تجویز بتائے کہ کیا کیا جائے۔

حشمت میں اس کا کیا جواب دوں تم جانتی ہو کہ میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ اگر ایسا خیال بھی کرونگی تو جس طرح تین جنازے پھوپی جان کے اس گھر سے نکلے اسی طرح تین جنازے اور نکلیں گے تم خود اپنی حالت دیکھ لو جب تک تمہارے بڑے بھائی زندہ رہے نکاح نہ ہو سکا۔

ظہیرہ پھر آخر کیا ترکیب کیجائے؟

حشمت کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی،

ظہیرہ، تو کیا تم کو ان کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے۔

حشمت، میں ہمدردی کر کے کیا کر سکتی ہوں،

ظہیرہ تم سب کچھ کر سکتی ہو۔

حشمت جو کچھ تم کہو میں کرنیکو تیار رہوں مگر تم نے ہی کیا کر لیا جو مجھ سے چاہتی ہو۔

ظہیرہ میں تو سخت حیران و پریشان ہوں ان کی حالت دیکھی نہیں جاتی، تمہاری مجبوری درست ہے،

تین بلکہ چار گھنٹہ تک نند بھاوجوں کی باتیں اس طرح ہوتی رہیں چلتے وقت ظہیرہ ایک خط حشمت کو دیگئی نند کو رخصت کرنیکے بعد حشمت نے خط نکالا تو یہ تھا۔

حشمت جہاں بیگم ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے اب جبکہ میری جان پر آبنی مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں اپنے نکاح کا پیام تم کو دوں میں جانتا ہوں کہ یوسف شاہی خاندان میں بیوہ کا نکاح ایک قیامت برپا کر دیگا خون ہونگے اور نکاح نہ ہوگا اس سے

یہ ہی بہتر ہے کہ میں خود ہی قربان ہو جاؤں۔ اچھا حشمت جہاں خدا حافظ۔

ان چار سطروں کے پڑھنے کے بعد حشمت کے دل کی کیفیت کچھ اور ہو گئی اور اس نے سوچا کہ واقعی ایک شخص کا خون میری گردن پر ہوگا لیکن میں خود مجبور ہوں کچھ نہیں کرسکتی مگر ہاں اس میں تو ہرج کچھ نہیں کہ میں اماجان سے باتوں باتوں میں ذکر کروں اور ان کا عندیہ دریافت کروں میں جانتی ہوں کہ وہ آگ بگولا ہوں گی اباجان سے ذکر کرینگی تو آفت آجائیگی زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ مجھے مار ڈالیں گے بلا سے میری موت اور مجھ کو تمام آفتوں سے چھٹکارا دلوائیگی، اُدھر جب میں نہ ہونگی تو ہار دن جو چاہے سو کرے لیکن خط کا جواب تو لکھدوں ظہیرہ اس قدر اصرار کرگئی ہو کل وہ پھر آئیگی دل میں یہ فیصلہ کرکے حشمت قلم دوات لے بیٹھی کئی پرچے لکھے اور پھاڑے مگر ایک بھی ٹھیک سمجھ میں نہ آیا آخر اُٹھ کھڑی ہوئی اور باہر نکلی ماں کے پاس آئی ارادہ کیا کہ کچھ کہوں مگر زبان تک آ نہیں سکی پھر اندر گئی اور لکھنے بیٹھی۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک یہ سلسلہ جاری رہا کبھی اندر جاتی کبھی باہر آتی مگر نہ ماں سے کچھ کہہ سکتی نہ کہا جاتا یہاں تک کہ شام ہوگئی اور شام سے رات۔ جاڑوں کا موسم تھا پلنگ پر لیٹی اور کچھ سوچنے لگی دیر تک اسی چکر میں منہمک رہی سوچتی تھی لکھتی تھی پھاڑتی تھی اٹھتی تھی ٹہلتی تھی بیٹھتی تھی اس تمام محنت اور غور و فکر کا نتیجہ یہ ایک فقرہ تھا۔

"میں مجبور ہوں سمجھ میں نہیں آتا کیا جواب دوں"

(۱۳)

گرمی اس غضب کی پڑ رہی تھی کہ الامان الحفیظ ڈھا قدیرا دھیڑ فیروزہ چاندنی رات میں اجلے برف کپڑے پہنے سپید چادروں پر بیٹھے تھے موتیا کی لپٹیں آرہی تھیں بیٹے بہو دولہا دلہن کا کمرہ گلاب گندی کی دکان تھی لیکن حشمت اپنی کوٹھری اور کپڑوں کے اعتبار سے دیوانی کے قیدی سے کچھ ہی بہتر تھی۔ عورت تھی جوان تھی دل تھا ارمان تھا

پھولوں کو سونگھ کر چاندنی میں لیٹ کر ہوا میں بیٹھ کر وہ بھی زندہ رہنے کی خواہشمند تھی
اور زندگی منحصر تھی کچھ آسائشوں پر جو ختم ہو چکی تھیں کچھ آرزوں پر جو نہ رہی تھیں،
دل صرف آہ کرنے کو اور آنکھیں فقط حسرتوں کے رونے کو باقی رہ گئی تھیں

وہ ایک علیحدہ چھت پر سوئی جہاں صرف چاندنی ادہر اس کے درد شریک اور ادہر
درد کے زخم پر کچوکے دینے کو موجود تھی۔ سوچتی تھی جوانی کا بادل گھر کر اُمنڈ اُمنڈ کر آیا
مگر برسنے سے پہلے ہو لئے آڑی دہواں دہار گھٹا جس کو سمجھا تھا کہ مدتوں کی جلی بھنی
کھیتیوں کو جل تھل اور سوکھی کیاریوں کو لہلہا دے گی دیکھتے ہی دیکھتے اتر گئی کہنے
کو پانچ چھ برس سہاگن رہی مگر آنکھ کھلی تو کچھ نہ تھا۔ کیا یہ زندگی زندگی ہے کیا بیوہ عورت
عورت ہے، قبر کی زندگی اس زندگی سے یقیناً بہتر ہوگی اگر وہاں بیوگی نہیں اور
اگر ہے تو اس کا احساس نہیں ہے۔ کیا میری عمر اس قابل نہیں کہ میں نکاح کروں
کیا اسلام نے اسکی اجازت نہیں دی۔ یہ درست ہے کہ میں تیس کے قریب پہونچ
جاؤں گی اور یہ بھی صحیح کہ بیسی اور تیسی لیکن میں آئینہ دیکھتی ہوں تو میری صورت بدستور
میرا رنگ و روغن وہی چہرے پر جھری نہیں بڑھاپے کا آثار نہیں بالکل لڑکی بڑی ہوں خدا کا
غضب بڑھیا اماں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہیں ان کو سب کچھ چاہئے بغیر ماشہ عطر
کے نہانا گناہ سوا موتیا کے تیل کے اور تیل ڈالنا قسم ہفتہ میں چار مرتبہ کپڑے بدلیں گرمی
میں ایک دن بیچ اور جاڑے میں جمعہ کے جمعہ مہندی لگائیں سرمہ ہو کاجل ہو کنگھی چوٹی ہو
جاڑا گرمی برسات پھولوں کی بالیاں ناغہ نہ ہوں دانت ملنے لگے مگر مسی کی دھڑی نہیں
چھوٹتی اگر میں جس کے کھانے پینے کے دن۔ پہننے اوڑھنے کا وقت ایک ایک چیز کو
ترسوں، ایک ایک شے کو پھڑکوں۔ بناؤ کے قریب نہ جاؤں سنگار کے پاس نہ پھٹکوں
اس روز صرف سر گوند ھنے پر قیامت ٹوٹ پڑی توبہ توبہ!

شرم و حیا غیرت ہر چیز کا موقعہ اور وقت ہوتا ہے اس زندگی کو اور اس حیا کو سلام

دونوں ہاتھوں سے سلام بہت ہوگا اماباجان، جان سے مار ڈالیں گے پھر کیا ہے جان جاتی ہے۔ جا چکے اس زندگی سے تو موت بہت اچھی ہے

بوا کس قدر سو رہی ہیں، میری وجہ سے ایک شخص کی زندگی برباد ہو گی۔ اس کا عتاب مجھ پر نہیں تو کس پر ہوگا اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ عورت صرف ماباپ کے لئے پیدا کی گئی ہے، اگر ایسا ہے تو خود اباجان اور اماجان کو کیا حق حاصل ہے کہ اپنی زندگی مزے سے بسر کریں اور میرا کبھی بھول کر بھی خیال نہ کریں۔ ذرا اباجان اپنے گریبان میں منہ تو ڈالیں کہیں شادی تک میں اماجان کو رات کے رہنے کا حکم نہیں اول تو کہیں جاتی ہی مشکل سے ہیں اور ان کا جانا کیا جہاں کی اجازت ملی چلی گئیں، دوسرے جاتی ہیں تو ایسی اٹھاؤ چولہا کہ ادھر گئیں اُدھر آئیں اباجان مجھ پر تو ایسے بگڑے مگر خدا کو کیا منہ دکھائیں گے ناناجان کے آخر وقت اماجان ایک رات رہ گئیں تھیں کیا قیامت توڑ دی ہے تعجب ہے کہ دنیا بھر کی تمام خوشیاں صرف انہی کی ذات کیواسطے پیدا ہوئی ہیں

اگر واقعی عورت صرف ماباپ کے لئے پیدا کی گئی ہے تو پھر شادی بیاہ کیا معنی رکھتا ہے، کیا مزے کی سیر ہے کہ پہلے نکاح کا تو یہ فکر یہ کوشش یہ پریشانی کہ دیر لگی تو کھانا پینا تک چھوٹ گیا اور اب وہی میں، وہی اماں وہی باوا کہ دوسرا نکاح گناہ کبیرہ عذاب شدید حرام قطعی گویا پہلا نکاح اللہ میاں پر احسان تھا، فرض پورا کرنا تھا چھڑا اتارنا تھا۔

حشمت کی رات کا بڑا حصہ اسی ادھیڑبن میں بسر ہوا، گھر بھر پڑا سوتا تھا۔ اور وہ اکیلی انہی الجھنوں میں چکرا رہی تھی۔ سوچتی کچھ تھی ہوتا کچھ تھا۔ کامیابی کی امید اور اطمینان کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ گرمی کا موسم تھا نماز صبح کے وقت قدیر کی چچازاد بہن حشمت کی پھوپی بیٹے کی شادی کا بلاوا دینے آئیں آج رات کو وہ بھی بڑی رات گئے چنبیلی کے دو پھول یہ سمجھ کر کہ نماز کے وقت اتار دوں گی

حشمت نے دونوں لوکوں میں ڈال لئے تھے پھوپی کے آنے کی خوشی میں پھول اتارنے بھول گئی اور سیدھی جا گلے سے لپٹ گئی، اور قدیر پھوپی اور ما تینوں کی نظر قہر آلود ایک حشمت کے چہرہ پر نہیں اس کے کانوں پر تھی اور اس بدنصیب کو خبر نہ تھی کہ مجھ پر عنقریب ایک ستم ٹوٹنے والا ہے کہ پھوپی نے کہا لا میٹی یہ کانوں میں پھول کیسے ہیں؟ کیا اماجان نے اور نکاح کر دیا یا رانڈ کو پھول پہنائے ہیں!!

حشمت کو کاٹو تو بدن میں خون نہیں قدیر غصہ میں لال فیروزہ آپے سے باہر ایک چور تھا کہ سامنے بیٹھا تھا اور جس کا بس نہ چلتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور سما جاؤں پھوپی کا سوال ختم ہو کر کچھ دیر سناٹا رہا اس کے بعد ما بولی

"دیکھئے یہ کمبخت کیا ستم ڈہاتی ہے۔ آجتک کسی بیوہ نے بھی پھول کو ہاتھ لگایا ہے سچ پوچھو تو ناک کٹ گئی تقدیر کی خوبی ہے جو نہ دیکھا تھا وہ دیکھ لیا۔"

قدیر میں مغل ہوں اور اس باپ کا بیٹا جس کی صورت سے خون ٹپکتا تھا دم بھر میں اس مردار کا صفایا کئے دیتا ہوں۔

قدیر کے منہ سے کف جاری تھے آنکھوں سے آگ برس رہی تھی فیروزہ کی کیفیت یہ تو نہ تھی لیکن غصہ میں تھر تھر کانپ رہی تھی وہ مصلحت کیا سمجھتی مگر وقت نے بتایا کہ ماں پھوپی کی لتاڑا اور چیخم دھاڑ نے باپ کا غصہ ٹھنڈا کیا اور ذرا ان کی آنکھ ادہر اودہر ہوئی تو وہ چپکی اُٹھ کمرہ میں چلی گئی۔

اب پانی سر سے گذر گیا تھا اور حشمت اپنے مستقبل کے متعلق اس وقت نہایت سختی سے غور کر رہی تھی کہ نند کی ڈولی اتری اس کو دیکھ کر خیالات میں ایک قسم کی تبدیلی ہوئی فکر ایک ایسے اضطراب سے بدلا جس میں خوشی کی جھلک موجود تھی، نند بھاوج ملیں اُٹھ کر گلے ملیں اور پہلی بات جو نند کی زبان سے نکلی وہ یہ تھی ایسی خاموش کیوں بیٹھی ہو،

بھاوج یوں ہی۔

نند یوں ہی کی کوئی وجہ بھی ؟

بھاوج یوں ہی کی بھی کوئی وجہ ہوتی ہے ؟

نند ہوتی کیوں نہیں ؟

بھاوج قریب قریب ہر وقت خاموش ہی رہتی ہوں،

نند مگر ایسا چپ چپ میں نے کبھی نہیں دیکھا دل بھرا ہوا تھا نند نے کچھ ہمدردی سے گفتگو کی کہ حشمت کی آنکھ میں آنسو آگئے اس نے آنسو بھری آنکھوں سے نند کی طرف دیکھا آنسو آنکھ میں چھلکے اور نند نے آگے بڑھکر بھاوج کو گلے لگایا اور کہا۔

" خدا کا واسطہ اپنی حالت پر رحم کرو میں تو اسی واسطے فجر ہی فجر آگئی کہ تم نے وعدہ کیا تھا کہ جمعہ کو قطعی جواب دو نگی "

بھاوج کیا خاک جواب دوں عقل کام نہیں کرتی وہ کیوں قربان ہوں تم ہی اپنے ہاتھ سے میرے پیٹ میں چاقو بھونکتی جاؤ نہ میں ہوں گی نہ یہ مصیبت ہوگی رات کو اتنی غلطی ہوئی کہ دو پھول لوگوں میں بھر لئے تھے صبح سے وہ حشر ٹوٹا ہے کہ خدا کی پناہ

نند میری رائے میں تو اب اس کا علاج یہی ہے کہ میں نے چھوٹے بھائی سے بھی صلاح لی تھی انکا مشورہ بھی ہے کہ وہاں چل کر چپکے سے نکاح کر لو پھر جیسی ہوگی دیکھی جائیگی

بھاوج ہائے اتنی ہی ہمت تو نہیں ہے پھر ہیں تو ماں باپ ہیں ان کی ناک کس دل سے کاٹ دوں تم مجھ کو وہ صلاح بتاتی ہو جو خود نہ کر سکیں آخر اتنے روز تک دنیا بھر کی مصیبتیں پیٹ لیں لیکن کچھ نہ ہوا

نند یہ درست ہے میری خوش قسمتی تھی کہ اللہ نے بھائی جان کو فرشتہ بنا کر بھیجدیا نہیں میری مٹی بھی ایسی ہی پلید تھی،

بھاوج میں تمہارے ہاں آج تو نہیں انشاء اللہ کل آؤں گی اور پھر صلاح کرینگے،

نند یا اں کل کل ہیں دیکھو اتنے دن تو گذر گئے اور اسی طرح چاہے برسوں گذار لو

جب تک دل کڑا نہ کرو گی کچھ نہ ہوگا۔

بھاوج نہیں میرا دل بھی اب بھر گیا ہے

نند، کل پھر اور کسی دن پر ٹال دو گی،

بھاوج نہیں کل تصفیہ ہو جائیگا،

نند تو بھائی کو خوشخبری سنا دوں

بھاوج، یہ وعدہ تو میں نہیں کرتی۔ مگر ہاں کل اس بات کو یکسو کر دینگے،

(۱۱)

جہاں آرا کی ہڈیاں گل کر خاک ہو چکیں مگر ممتا کی ماری ماں کے دائیں بائیں دو معصوم قبریں جرات نسوانی کی عدیم النظیر مثال ہیں قبرستان میں جانیوالے بھولے بھٹکے انسان کی نظر جب ان تین قبروں پر پڑتی ہے تو ننھے ننھے مزاروں کی بیکسی اور بے لبسی اس کا دل کھینچ لیتی ہے۔ یہاں گلاب کے پھول ہیں، نہ سبزہ خوابیدہ۔ دریا کا کنارہ ہے نہ شہر کی چہل پہل ایک ہو کا میدان اور قیامت کا سناٹا ہے مگر وہ دل جو اولاد کے درد سے آشنا اور وہ آنکھیں جو بھولے بھولے چہروں کی عاشق ہیں کھٹک کر ٹھٹک جاتی ہیں، اور دیکھتی ہیں کہ جس طرح پھولوں کی سیجوں یا کھرّی چارپائیوں پر ہر ایک ماں تھپک تھپک کر کلیجے کے ٹکڑوں کو سلاتی ہے اسی طرح اس جنگل بیابان میں اس عالم سنسان میں اُدھر اُدھر دونوں بچوں کو پہلو میں لئے یہ ماں بیچ میں لیٹی اپنے پیاروں کو سلا رہی ہے۔ ضرورت تھی کہ قدیر بہن کی حیا اور غیرت کا بے مثل جذبہ غارت نہ ہونے دیتا اور عالم نسواں کو دکھا تا کہ آن بان والی عورتیں غیرت کی وقعت کتنی کرتی ہیں اور زیادہ نہیں تو اتنا کر دیتا کہ ایک سیاح اس کا کتبہ پڑھ کر اس واقعہ سے باخبر ہو جاتا اور سمجھ جاتا کہ شہید غیرت کس طرح بچوں کو لوری دے رہی ہے لیکن دنیا کا ہر مرد قدیر اور عورت فرزانہ تھی بہت سے اللہ کے بندے نظر پڑتے ہی دل پکڑ لیتے اور بیٹھ جاتے اور کہتے کیا

دل کہتا ہوگا اس ماں کا جس کے دو بچے اس طرح آنکھوں کے سامنے سے اٹھ گئے ہوں

دنیا جہاں آرا کو بھول گئی قدیر اور فیروزہ کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ اس گھر میں اور ان کی بدولت تین ہستیوں پر کیا کچھ گزر گئی ہے۔ بیٹا اور بہو زندگی کا سہارا تھے اور اماں باوا دیکھ دیکھ کر باغ باغ ہوتے تھے، جوان رانڈ بیٹی گھر میں موجود تھی مگر کیا مجال جو اس کی ضرورت یا آسایش تو درکنار کسی قسم کا بھی خیال آجاتا ہو، قدیر باپ تھا اس سے چنداں شکایت نہیں تعجب ہے۔ فیروزہ پر سگی ماں یہ بھی نہیں کہ سوتیلی ہو مگر جب بیٹا بہو میاں تینوں کھا چکتے اس کے بعد حشمت کو کھانا دیتی کپڑے کا تو ذکر ہی فضول ہے خود بیوہ ہونے کے بعد حشمت پھوپی کو یاد کرتی ان کی موت پر روتی اور زبان سے نہیں دل ہی دل میں کہتی کہ کیسی بدنصیب کیسی کرموں جلی کس قدر نصیبوں پھوٹی عورت کہ دنیا کی کوئی بہار بھی دیکھنی نصیب نہ ہوئی اور اپنے ساتھ بچوں تک کو فنا کر دیا۔

جاڑوں کے موسم میں ایک روز دوپہر کے وقت قدیر کا لڑکا ظہیر گرم پانی سے نہایا کپڑے بدلے کھانا کھایا چاول تھے تو میٹھے لیکن وقت کی بات تھی کہ ادھر کھا کر اٹھا ادھر سینہ میں کسک سی معلوم ہوئی غروب آفتاب تک تو درد کی یہ کیفیت کہ تکلیف کے مارے مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا قدیر اور فیروزہ بچہ کی یہ تکلیف دیکھ کر بے اوسان تھے ڈاکٹر آتا تھا اور جاتا تھا حکیم بیٹھتا تھا اور اٹھتا تھا۔ رات بھر یہ تانتا لگا رہا دوائیوں پر دوائیاں اور تیل پر تیل پلائے بھی اور لگائے بھی لیکن درد میں کمی نہ ہوئی، صبح سے دوپہر ہوئی اور دوپہر سے شام ہر چیز میں اور ہر حالت میں کچھ نہ کچھ فرق آیا مگر ظہیر کے درد میں فرق نہ آسکا دوسرے دن صبح کو حالت ایسی خراب ہوئی کہ لینے کے دینے پڑ گئے حکیم اور ڈاکٹر سب خاموش ہوئے اور ان کے مایوس ہوتے ہی قدیر اور فیروزہ دیواروں سے سر پھوڑنے لگے حشمت بہت تھی دشمن نہ تھی وہ بھی ماں کے درد اور باپ کے صدمہ میں بہت کچھ شریک تھی لیکن خدا معلوم دونوں میاں بیوی کے دل میں کیا

سماگیا تھا کہ وہ حشمت کو قریب بھائی کا دشمن سمجھ رہے تھے، اور یقین یہ تھا کہ
بھائی کی موت سے اس کو خوشی ہوگی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ وہ الگ سر چھوڑ رہے تھے
اور یہ جدا بیٹھی رو رہی تھی، یہ دن بھی ختم ہوا مگر مریض کی تکلیف ختم نہ ہوئی، صحت ہوئی
نہ موت آئی، ظہیر بے ہوش پڑا تھا، آدھے گھنٹہ بعد برائے نام آنکھ کھول دیتا، ٹوٹی
پھوٹی ایک آدھ بات وہ بھی اس طرح کہ کچھ سمجھ میں آئی اور کچھ نہ آئی کر لیتا اور پھر غوطہ
میں چلا جاتا۔ کل دن بھر اور رات بھر بخار ہلکا تھا لیکن آج دن کو تیز رہا اور شام سے تو
یہ کیفیت ہوگئی کہ بدن پر ہاتھ دھرنا مشکل تھا۔ اس کے ساتھ درد کی اذیت، الٰہی
تیری پناہ اس غضب کی تھی کہ جب آنکھ کھل جاتی تھی تو ایک ایک کی صورت دیکھتا تھا
اور آواز سے نہیں اشاروں سے تلملاتا اور چلاتا تھا۔ دونوں ماباپ سامنے بیٹھے
یہ سب کیفیت اپنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے۔ کلیجہ مسلا جا رہا تھا۔ دنیا آنکھوں میں اندھیر
تھی اور یہ وہ وقت تھا کہ قدیر اور فیروزہ دونوں حالت یاس و ناامیدی میں ڈاکٹروں
حکیموں کا منہ اس طرح تک رہے تھے کہ گویا موت اور زندگی ان ہی کے اختیار میں ہو
ہم کہہ چکے ہیں کہ یوسف شاہیوں کا خاندان سوا ایک آن کے جو و بال جان تھی پکا
مسلمان تھا۔ دونوں میاں بیوی دن رات نمازیں پڑھ رہے تھے، بلبلا رہے تھے
اور گڑگڑا رہے تھے۔ بکروں پر بکرے اور خیرات پر خیراتیں ہو رہی تھیں۔ مگر مرض کو
افاقہ کسی طرح نہ ہوتا تھا اور اب ناامیدی اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ فیروزہ جانماز سے
اُٹھ کر دیوانوں کی طرح آتی بچے کا منہ دیکھتی دم کرتی ہٹ جاتی اور پھر آ جاتی، بیہوش
ظہیر کے منہ پر منہ رکھتی چمٹتی کبھی اس کی منتیں کرتی اور کبھی خدا کے آگے بلبلاتی چوتھی رات
کا بڑا حصہ اسی اضطراب میں گذرا دو بجے ہونگے میاں بیوی خاموش ادھر اُدھر بیٹھے
تھے اور بچہ بیچ میں چپکا پڑا تھا کہ قدیر ہائے کہہ کر اٹھا اور بیوی سے کہا۔

"ارے کیا ہو رہا ہے کیا کیا کروں"

فیروزہ قربان ہوجاؤں اس صورت پر لے، ظہیر ذرا آنکھ تو کھول،

قدیر میری زندگی اس زندگی سے میری خوشی اس صورت سے اگر میرے منہ میں خاک یہ نہ ہوا تو میں رہ کر کیا کرونگا۔

فیروزہ دنیا بھر کی کوششیں ہو چکیں حکیم اور ڈاکٹر کوئی نہ چھوڑا بکرے بھی چکے ختم بھی ہو گئے مگر حالت میں فرق نہیں ہوتا۔

قدیر، بخار کسی طرح کم نہیں ہوتا دیکھو تو سہی بدن تانبا ہو رہا ہے شام کو ذرا پسیج گیا تھا جان میں جان آگئی تھی، میں نے سمجھا خدا نے ہماری طرف دیکھ لیا۔ اب پسینہ آکر بخار اتر جائیگا۔ مگر اب آنچ ہو رہا ہے،

فیروزہ ہائے کیا کروں چنے بھن رہے ہیں

اب کچھ دیر تک خاموشی تھی دونوں میاں بیوی بیٹھے خاموشی کے ساتھ اپنی مصیبت کا ذکر کر رہے تھے۔ باہر سے گھنٹے کے چار اُس کے ساتھ گجر بجنے کی آواز کان میں آئی فیروزہ باہر نکلی تو آسمان تاروں کا تھال سر پر لئے کھڑا تھا اور یہ منظر بجائے خود ایک درس عبرت تھا، انگڑائی لیکن کمر پٹرا اور ہاتھ پاؤں شل ہو رہے تھے لیٹنے کی دیر تھی فوراً آنکھ لگ گئی، یہاں ایک اور ہی سماں آنکھ کے سامنے تھا دماغ میں چونکہ ظہیر کی علالت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس لئے اس کا پلنگ وہی مریض اور دونوں میاں بیوی خاموش دکھائی دئے فرق صرف اتنا تھا کہ بیمار بجائے کمرہ کی چھت کے آسمان کی چھت کے نیچے تھا اور سر پر تارے اور چاند چمک اور دمک رہے تھے۔ حالت ناامیدی میں فیروزہ آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی کہ اس نے اپنے گھر سے دھواں اٹھتے دیکھا حیران ہوئی کہ رات کے وقت اس غضب کا دھواں کہیں گھر میں آگ تو نہیں لگ گئی دوڑی ہوئی باورچیخانہ کی طرف گئی تو کچھ نہ تھا۔ ادھر دیکھا ادھر دیکھا پتہ نہ چلا۔ دھوئیں کی طرف چلی تو معلوم ہوا کہ جہاں آرا کے کمرہ سے دھواں نکل رہا ہے۔

اب یہ کمرہ حشمت کا تھا اور گو فیروزہ جہاں آرا کا آخری منظر اس کمرہ میں قطعًا بھول چکی تھی مگر دیکھتی کیا ہے کہ وہ اپنے دونوں بچوں کو پہلو میں لئے مردہ پڑی ہے۔ اور دھواں اس کے منہ سے نکل رہا ہے ڈر کر باہر آئی اوپر دیکھا تو ہوا دھوئیں کو آسمان کی طرف اڑائے چلی جا رہی ہے۔ وحشت کے مارے آواز نہ نکلتی تھی ارادہ ہر چند کرتی تھی کہ میاں کو جگائے یا ہلائے لیکن گھگی بندھ چکی تھی فیروزہ کی نگاہ آسمان پر تھی کہ ایک خوفناک بلا سی آسمان سے اترتی نظر آئی، دھواں بند ہو چکا تھا اور آسمان پر اور ہوا میں دھوئیں کی بجائے یہ بلا چھائی ہوئی فیروزہ ڈر تو پہلے ہی رہی تھی، بلا کی صورت دیکھتے ہی لگی تھر تھر کانپنے بھاگنے کا راستہ نہیں چھپنے کا موقعہ نہیں جدھر جاتی ہر رستہ بند اور جس طرف نظر دوڑاتی ہے بلا موجود یہاں تک کہ وہ بلا اس کے گھر میں داخل ہوئی اور برابر میں سامنے آکر کہا۔

اب اس ڈر کے کیا معنے بدنصیب! دکھا دیا تھا سمجھا دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جہاں آرا کی آہ کلیجہ توڑ دے گی کیا آج کے تھپے آج ہی چلتے ہیں دنیا وہی ہے دن رات وہی تیرا میاں وہی تیرا فعل تھا کہ بدنصیب نند اور بیوہ بہن کو بھرے مہمانوں میں اتنا ذلیل ایسا شرمندہ اور اس قدر رسوا کیا کہ ذلت اس کی جان اور شرمندگی اس کے بچے لیکر بھی ختم نہ ہوئی۔ اس نے ایک نہیں تین قربانیاں تیرے ظلم کی نذر کیں اور ہنستی کھیلتی دنیا سے اٹھ گئی، اس کی آہ کچھ وقعت اس کا کلیجہ کچھ عزت رکھتا تھا تیری نگاہ میں نہیں اس نگاہ میں جہاں تو اور وہ حاکم اور محکوم ظالم اور مظلوم سب یکساں ہیں تیرا فعل ہو چکا تیری حکومت ختم ہو چکی لاریب تو گھر کی مالک تھی بلا شبہ اس کی رسوائی تیرے قبضہ میں اس کے بچے تیرے اختیار میں اور وہ خود تیرے بس میں تو اس سے طاقتور اس سے افضل اس سے اعلیٰ سہاگن، شوہر والی بچوں کی ماں لیکن کوئی تجھ سے بھی زیادہ طاقت ور تجھ سے بڑھ کر اختیار والا اور تجھ سے بہت زیادہ

قدرت والا تھا، اب یہ اس کا فعل ہے۔ فیروزہ تیرے اپنے بچوں کے بچل ہیں آگے بڑھ اور استقبال کر

بلا نے گھر میں داخل ہوتے ہی چاروں طرف نظر ڈالی اور ظہیر کے کمرہ میں داخل ہوئی۔ اس آنکھ سے شعلے نکل رہے تھے اس کے سانس سے آگ برس رہی تھی اس کے اندر داخل ہوتے ہی فیروزہ اس کے پیچھے پیچھے اندر پہنچی کہ ظہیر کو چھپائے اور صرف اتنا کہہ سکی،

"ارے میرا بیارا بچہ"

یہ آواز اس طرح نکلی کہ قدیر جو لڑکے کے پاس بیٹھا تسبیح پڑھ رہا تھا پاس آیا اور جگا کر کہا "کیا ڈر رہی ہو" ؟

فیروزہ گھبرا کر اٹھی اور سیدھی بچے کے پلنگ پر پہونچکر اس کو لپٹ گئی اور کہا۔

"بلا کدہر گئی"

قدیر کیسی بلا ؟ کیا کہہ رہی ہو ؟

فیروزہ نے اسوقت سارا خواب میاں کو آج کا بھی اور اس روز کا بھی سنایا اسوقت دونوں میاں بیوی کو یقین ہو گیا کہ یہاں آنا اور اس کے بچوں کا جنازہ گھر سے نکلکر اور دنیا سے اُجڑ کر ہمارے واسطے کچھ چھوڑ گیا ہے، دونوں دیر تک گفتگو کرتے اور سوچتے رہے کہ تلافی کی کیا صورت ہو مگر ہو چکا جو ہوتا تھا اور اب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آتی تھی،

(۱۵)

ابھی ظہر کی اذان ہوئی نہ تھی کہ حشمت وعدہ سے پہلے سسرال پہنچ گئی اور نند کے کمرہ میں جا کر خاموش بیٹھ گئی دونوں بہن بھائی اس کے منتظر تھے نند نے مُہر سکوت کو توڑا اور کہا۔

" خدا کا واسطہ بیوی اب تو معاملہ کو ختم کرلو دیکھو اسی چکر میں کتنے دن ختم ہو گئے سچ تو یہ ہے کہ ہو بڑی کٹر رحم پاس نہیں پھٹکا "

حشمت واہ کیا اچھی بات کہہ رہی ہو مجھ سے کہتی ہو اتنی ہمت ہے تو لو جاؤ میں یہاں بیٹھی ہوں تم جا کر اما جان سے طے کر لو مجھے کیا عذر،

نند وہ تو ہرگز کبھی اجازت نہ دیں گی

حشمت، پھر بتاؤ میں کیا کر سکتی ہوں

نند، اگر وہ اجازت دیں تو سبحان اللہ نہ دیں تو اللہ کی مرضی کوئی گناہ تو نہیں کرتیں خدا اور رسول ہی کے حکم کی تو تعمیل کرتی ہو

حشمت تم نے نہ کر لیا جو مجھ سے کہتی ہو؟

ہارون خاموش بیٹھا دونوں کی باتیں سنتا تھا جب اس نے دیکھا کہ کسی طرح آج بھی کام بنتا نظر نہیں آتا تو اٹھا تو اپنی ٹوپی حشمت کے قدموں میں ڈالدی کہا یہ عزت تمہارے ہاتھ ہے۔

حشمت نے ٹوپی اٹھالی اور کہا

دیکھو تو بہی ہیں کس مصیبت میں پھنس گئی کیا کروں کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

ہارون - یہ تو کوئی ایسا پیچیدہ معاملہ نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آئے تم ماشاءاللہ اپنی بھلائی برائی خود سمجھ سکتی ہو اگر والدین غلطی پر مصر ہوں تو کیا ضرور ہے کہ اولاد ان کے ہاتھوں برباد ہو جائے۔

حشمت مگر مجھے یقین کامل ہے کہ ابا جان مجھے اور تمہیں دونوں کو مار ڈالیں گے اور معاملہ یہیں ختم نہ ہو گا خود بھی زہر کھائیں گے اور اما جان کو بھی دینگے،

ہارون مار ڈالنے سے تم جمع خاطر رکھو ایسی جگہ پہنچو گی جہاں پرندہ پر نہ مار سکیگا اور یہ بھی یقین کر لو کہ زہر کھانا آسان نہیں آخر کیا ایسا گناہ ہے کہ زہر کھائیں گے اور بیوی

کو بھی دینگے اگر خدا انکو عقل دیگا خوش ہونگے کہ بیٹی نے شرع کے موافق کام کیا ان کی عزت برباد نہیں کی۔

حشمت میری رائے میں یہ مناسب ہوگا کہ ہم وہاں جاکر اماجان سے گفتگو کریں یہ تو میں جانتی ہوں کہ آگ بگولہ ہوجائیں گی اور جو جو منہ میں آئیگا سنا ڈالیں گی لیکن یہ خاموش رہیں اور چپکی چلی آئیں ان کے کان میں بھنک تو پڑ جائیگی پھر اس کے بعد اگر میں یہ دیکھوں گی کہ کسی طرح راضی نہیں ہوتیں تو پھر دیکھی جائے گی،

ہارون مجھ کو اجازت دو کہ میں خود تمہارے والد ماجد سے اس معاملہ میں گفتگو کروں

حشمت، نہیں ہرگز نہیں۔

نند، ہاں مجھے عذر نہیں زبان سے کیا اگر وہ ہاتھ سے بھی ایک آدہ لکڑی مار دینگی تو اپنی غرض باولی اف نہ کروں گی۔ لاؤ ابھی چلی جاؤں،

حشمت نہیں ابھی نہیں میں پہلے چلی جاؤں صبح جب میں پہونچ جاؤنگی، اسکے بعد چلی آنا بلکہ صبح کیوں میں تو ابھی جاؤں گی ظہیر بھائی کی طبیعت بہت خراب ہو لینے کے دینے پڑ رہے ہیں،

نند بیمار کیا ہیں؟

حشمت نمونیا

(۱۶)

چاہیے یہ سمجھو کہ غرض نے باؤلا کیا چاہیے ناتجربہ کاری حشمت شام ہی کو گھر آئی اور دوسرے دن صبح کو نند، یہاں مریض کی حالت ساعت بساعت اور لمحہ بہ لمحہ ردی ہو رہی تھی ماں باپ اس بیٹے میں سے تھے آنکھیں ساون بھادوں کی جھڑیاں لگا رہی تھیں کہ بیٹی کی نند نے ادہر ادہر کا ذکر چھیڑ کر ہمدن سے کہا "مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔ اگر فرصت ہو تو ایک لحہ کے لئے ادہر آجاؤ" فیروزہ کو بیٹے کے سوا کچھ

نظر نہ آتا تھا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ یہ کمبخت اس طرح علیحدہ بلا کر ایسی بات کہے گی کہ سر سے پاؤں تک آگ لگ جائے گی وہ سمجھ رہی تھی کہ شاید ظہیر کی علالت کے متعلق کچھ کہنا چاہتی ہے اور کوئی دوا ایسی بتائے گی کہ فوراً بخار اتر جائیگا جھٹ اٹھ ساتھ ہولی اور بیتاب ہو کر پوچھا "ہاں بوا کہو"

حشمت کی نند کہوں کیا مجھے آپ سے کہتے ہوئے حجاب آتا ہے مگر بغیر کہے بھی گذارا نہیں جس طرح آپ نے میرے ایک بھائی کو غلامی میں لیا اسیطرح اب دوسرا بھی حاضر ہے اسوقت کہ جوان شیر سامنے سے اٹھ رہا تھا فیروزہ کیا کوئی بھی ہوتا تو پیامبر کا منہ نوچ لیتا وہ اس کا جواب تو کیا دیتی لاحول پڑھ کر چنخی اور یہ کہتی ہوئی اپنے کمرہ میں آئی "غضب خدا کا ایسے آنکھوں پر پردے پڑے کہ مجھ پر یہ ستم ٹوٹ رہا ہے اور اندھے بے ایمانوں کو نکاح کی سوجھ رہی ہے"

قدیر کیا ہوا؟

فیروزہ ہوا کیا یہ حشمت کی نند آنکھوں کی اندھی کو دیکھو دوسرے بھائی کا پیغام لیکر آئی ہیں!

قدیر کس کا بھائی کیسا پیغام کس کے ساتھ؟

فیروزہ حشمت کے دیور کا

قدیر ہاں حشمت کے دیور کا پھر کس سے؟

فیروزہ، حشمت سے!

اب تو قدیر کا چہرہ غصہ سے لال لال ہو گیا فوراً کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا، "یہ وہی کم بخت عورت ہے جس نے اپنا نکاح اور کیا ہے"۔

فیروزہ، ہاں وہی بے غیرت

قدیر، ایسی بیحیا عورت کو ہمارے گھر میں آنیکی اجازت کس نے دی نکالو مردار کو

ابھی یہاں سے اور خبردار جو آج سے حشمت وہاں گئی اس مردار کو ابھی ابھی باہر کرو، اول تو ہمارے دلوں پر یہ قیامت ٹوٹ رہی ہے۔ اسپر اس ناہنجار عورت کو یہ سوجھی نکالو نکالو ابھی نکالو،

فیروزہ نکلو نی نکلو اور دیکھو اگر شریف ہو شریف تو کیا شریف ہوتیں تو یہ کوتک ہی کیوں ہوتے بھلی مانس ہو تو اب اس گھر پہ قدم نہ دہرنا یہ تمہاری صحبت کا اثر اور ملنے کا نتیجہ ہے کہ لڑکی وہ لڑکی ہی نہ رہی،

حشمت انہوں نے بغیر موقعہ مصلحت دیکھے اور سمجھے بات کہدی لیکن ڈولی منگوا دیجئے اس طرح تو نہ نکالئے آخر میری نند ہیں،

قدیر۔ یہ کون بک رہا ہے، یہ چڑیل حشمت ہے!

فیروزہ اور کون ہوگا

حشمت جی ہاں میں ہوں اور ابا جان یہ عرض کرتی ہوں کہ گھر پرائے دشمن کو بھی اس طرح دہکے نہیں دیتے انہوں نے غلطی ضرور کی اسکی ان کو سزا مل گئی، اب آئندہ کے واسطے ان کو کان ہو گئے لیکن یہ سبکی عزتی کہ گھر سے نکال رہے ہیں بغیر برقعہ اور ڈولی کے سڑک پر چلی جائیں درست نہیں۔

فیروزہ، مردار اس قابل ہو گئی کہ ہمارے سامنے آنکھ کر کے بات کرے یہ سب تیری ہی بھگت ہے کم بخت تا جو بہن کا نکاح کا موقع یہ ہی تھا کیا بھائی کی موت کی منت مانی تھی۔

قدیر۔ ٹھیرو اس کمبخت کا تو میں علاج کر دونگا اس کو ابھی جان سے مار ڈالتا ہوں

فیروزہ کم بخت کوٹھے پر جا کر بیٹھ جا اسی دن کو زندہ رہی تھی نا شدنی پیدا ہوتے ہی موت نہ آ گئی،

ظہیر کی حالت اس وقت بالکل ردی تھی مگر دونو ماں باپ جو جو کچھ منہ میں آ رہا تھا

حشمت کو بنانے اور ستانے میں کسر نہ چھوڑ رہے تھے حشمت خاموش تھی جب وہ سنتے سنتے تھک گئی تو سیدھی اپنے کمرہ میں چلی آئی اور کہنے لگی،

موت سے ڈر کاہے کا اس زندگی سے موت بہتر ہے آئیں شوق سے مار ڈالیں

(۱۷)

پانچویں رات شروع ہوتے ہی ظہیر پر حالت سکرات طاری ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ماں باپ کھڑے اور پڑے بیٹنے لگے ظہیر سامنے لیٹا دم توڑ رہا تھا اور قدیر الگ کھڑا سر پھوڑ رہا تھا کبھی اندر جاتا کبھی باہر آتا۔ آدھی رات کے وقت اپنے کمرہ میں خاموش بیٹھ گیا آنکھیں کچھ بند تھیں کچھ کھلیں خدا معلوم عالم خواب تھا یا بیداری اور واقعہ تھا یا تخیل ایسا معلوم ہوا کہ

جہاں آرا اپنے دونوں معصوم بچوں کے ساتھ ہے ان کی انگلیاں پکڑے سامنے کھڑی ہے اور کہہ رہی ہے

قدیر رحم کر ایسی آنکھوں پر ٹھیکری نہ رکھ۔ یہ رسوائی مجھے دنیا بھر میں بدنام کردے گی۔ یہ خبر دور دور پہونچے گی، میں بیوہ ضرور رہوں مگر اے قدیر مجھے دنیا میں رہنا ہے دونوں بچے بجنے ہیں ان کی دلہنیں لانی ہیں۔ اسوقت کے بعد مجکو بیٹی کون دیگا، خدا را ایسا پتھر نہ بن۔ مجھ پر نہیں ان معصوموں پر رحم کر، زبان روک ابھی چلی جاتی ہوں، میں محبت کی دھن میں چلی آئی تھی اور یہ نہ سمجھی تھی کہ میرا کھڑا ہونا یہ غضب ڈھائے گا قسم کھاتی ہوں ایمان سے کہتی ہوں ان بچوں کے سر پر ہاتھ رکھکر خدا کو شاہد کرکے کہ میں نے حشمت کے جوڑے کو اس کے پھولوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ قدیر الگ کھڑی ہوں۔ میری آبرو رنڈی میری زندگی اور میری دنیا سب برباد کردے گی۔ للہ قدیر اپنی زبان روک، ذرا صبر کرجاتی ہوں۔

جہاں آرا نے بلک بلک کر اور بلک کر بھائی سے کہا مگر قدیر کے کان پر جوں نہ چلی اس کے دل پر چوٹ نہ لگی اٹھا اور سختی سے کھڑا ہوا، بیدردی سے پڑھا، حقارت سے پاس آیا اور ذلت سے بہن کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر سے نکال دیا

جہاں آرا چلی اور چلتے چلتے اتنا کہہ گئی،

بھیا کوئی گھر ہمیشہ شادی کا نہیں رہتا جہاں آج شادی کے جلسے ہیں وہاں کل موت کا بین ہے جہاں ابھی خوشی کے نقارے ہیں وہاں تھوڑی دیر بعد ماتم کے تاشے جس والان میں سمدھنیں اور براتی ہیں اس میں تعزیت اور عبادت والے بھی شریک ہونے والے ہیں بیرن یہ گھر حشمت کی شادی سے بھرا پُرا نہ رہے گا، یہاں ظہیر کا ماتم بھی ہوگا۔

آج میری اور میرے بچوں کی موت سے تیری تیوری پر بل نہ آئے۔ اور تینوں موتیں تو ہنس کر ٹال دے مگر اس دروازہ سے ان تین کے بعد ایک ایسی لاش نکلے گی جو تیرے ہوش وحواس باختہ کردے گی۔

قدیر یہ دیکھتے ہی گھبرا اٹھا روشنی زور شور سے ہو رہی تھی مگر جہاں آرا تھی نہ اس کے بچے۔ ڈرا ہوا سہما ہوا۔ گھبرایا ہوا بھاگا ادھر آیا تو ظہیر کا خراٹا زور کا ہو گیا تھا بیوی سے سارا حال کہا اور اسوقت دونوں میاں بیوی کو یقین کامل ہو گیا کہ جہاں آرا کا نکالنا کچھ نتیجہ رکھتا تھا اور یہ اس نتیجہ کا ظہور ہے۔

اب بچہ کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ ماں باپ کی آواز سمجھ سکے یا جواب دے سکے دلہن اس کے قدموں میں آنکھیں ملتے تھے۔ اس کے ہاتھ آنکھوں پر رکھتے تھے مگر بے سود تھا۔ اس وقت فیروزہ نے دیکھا کہ ظہیر نے آنکھ کھولی اور آنکھ کے ساتھ ہی منہ بھی کھلا ممتا کی ماری ماں بیتاب ہو کر دوڑی اور شہد کا چمچہ لا کر حلق میں ڈالا مشکل سے ایک بوند حلق سے اتری ہو گی کہ ظہیر کو اُچھو ہو گیا۔ اور وہ بھی اس غضب کا

کہ جان کندنی میں تمام بدن نیلا پڑ گیا اسوقت ماں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس وقت بھی مجھ بدنصیب کے ہاتھوں مرتے مرتے یہ اذیت اس پیارے کو پہونچی تڑپتی تھی ٹکریں مارتی تھی مگر ہوتا کیا تھا۔

نماز فجر کی اذان موذن نے دی اور گو الفاظ یہ نہ ہوں مگر پہلے قدیر اور فیروزہ دونوں کو یہ پیغام سنایا کہ

بڑی قدرت والی ہے

وہ طاقت وہ قوت وہ حکومت جو چشم زدن میں عشرت کو مصیبت اور راحت کو آفت سے بدلدے۔

نماز کے واسطے دونوں میاں بیوی نے وضو کیا ابھی وضو ختم نہ ہوا تھا کہ فقیر کی یہ آواز گلی میں گونجی۔

"کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے"

قدیر وضو کر کے پھر بچہ کے پاس آیا کچھ دیکھ رہا تھا کہ فیروزہ قریب پہنچی بچہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہا "ظہیر میاں ماں سے خوش رہنا"۔

یہ فقرہ ختم ہوا اور اس کے ساتھ ہی ظہیر ایک ہچکی لیکر ماں اور باپ دونوں کی آنکھ کے سامنے رخصت ہوا۔

(۱۸)

کیسی سخت مصیبت ہے کہ دونوں کے دونوں یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں بھائی کی موت سے خوش ہوں۔ مجھکو ظہیر کی موت کا جس قدر صدمہ ہے وہ میں ہی جانتی ہوں، مگر کیا خدا کی شان ہے کہ خواہ مخواہ کا الزام بلا وجہ کا بہتان خیر سمجھتے ہیں تو سمجھیں چاہے خوش ہوں یا رنجیدہ خدا دیکھتا ہے مگر یہ کیسی بلا پیچھے پڑی۔ وہاں کا جانا کیا موقوف ہوا۔ میرا خود جانے کو جی چاہتا ہے، اگر نہیں جاتے دیتے تو نتیجہ کیا

ہوگا، یہ ہوگا کہ بلا اجازت بغیر رضامندی بے پوچھے جاؤں گی ضرور جاؤں گی، اور کچھ نہ سہی میری سسرال ہے۔

دل ہی میں یہ باتیں کرنے کے بعد حشمت اٹھی صندوقچہ کھولا اور ایک پرچہ نکالا تو اس پر لکھا تھا،

نکاح یا انکار، زندگی یا موت، کامیابی یا ناکامی دو حالتیں دو صورتیں، دو کیفیتیں ہونی چاہئیں، مگر یہ تیسری حالت کیسی، کیوں اور کس لئے اگر امید ختم اور توقع جاتی رہی تو یہ آخری پرچہ ہے، اس کے بعد جلد سن لینا کہ کیا ہوا، تم نہ ہوگی تمہاری یاد، تم نہ ہوگی تمہارا خیال، گھر نہ ہوگا جنگل، آبادی نہ ہوگی ویرانہ،

اس پرچہ کو کئی دفعہ پڑھنے کے بعد حشمت نے پھر دل ہی دل میں سوچا اور کہا۔

ان حالات میں اب اس کے سوا چارہ نہیں کہ میں ایک دفعہ اور اماجان سے ایسے موقع پر کہ اباجان نہ ہوں کچھ باتیں کروں اور اس کے بعد تصفیہ کہ کیا کرنا یہ فیصلہ کرنے کے بعد وہ باہر آئی باپ موجود نہ تھا، ماں کے قریب بیٹھی اور کہا "کل آپ کی طبیعت ناساز تھی۔ نزلہ کی شکایت تھی۔ اب کیسا مزاج ہے"۔

فیروزہ جس پر یہ کچھ مصیبت گذر گئی جس کی ہری کونپل پھوٹنے سے پہلے ٹوٹ گئی جس کا جوان شیر آنکھوں کے سامنے اٹھ گیا۔ جس کا چمکتا لال ہمیشہ کی نیند سوگیا، اس کا زکام کیسا اہماری کیسی جب ظہیر جیسا چاند کہری گور میں جا سویا تو اب میں تندرست اور زندہ رہ کر کیا کروں گی، بے غیرت ہوں کہ جیتی ہوں، دعا ہے کہ موت آئے اور ناشاد کو بچھڑے ہوئے لال سے ملادے،

حشمت، آپ کا ارشاد درست اور فرمانا صحیح۔ مگر اماجان معاف فرمائیے اگر میں عرض کروں، بھائی کی موت کی وجہ آپ اور سبب اباجان۔ آپ نے جان کر اور انہوں نے یقیناً کلیجہ کا ٹکڑا پھولوں کی سیجوں سے اٹھا کر قبرستان پہونچایا آپ کو کیا

معلوم نہیں کہ انسانی طاقت سے بالاتر اور طاقت بھی کام کرتی ہے اور وہ خدائے برتر کی طاقت اور قدرت ہے آج ایک طاقتور انسان کمزور مخلوق کو دل کھول کر اور پیٹ بھر کر ستالے اور جلالے یہ ظاہر ہے کہ کمزور بدنصیب بدلا لینے اور جواب دینے کے قابل نہیں لیکن اماجان اس کمزور کی کمزوری میں ایک طاقت موجود ہے۔ کیسا ہی بے بس کتنا ہی بیکس کیوں نہ ہو مگر اس کے ساتھ اس لئے کہ وہ مخلوق ہے خالق ضرور ہے ہم ایک جانور پالتے ہیں اس کی محبت ہوتی ہے ایک مکان بناتے ہیں اس کی وقعت کرتے ہیں کمہار ایک مٹی کا کھلونا بنا کر بازار میں لاتا ہے۔ بیچتا ہے فروخت کرتا ہے۔ دیدیتا ہے اس کے ٹوٹنے کا بھی اسکو افسوس ہوتا ہے۔ بھلا اماجان جس خالق نے ایک مٹی کے پتلے کو جان دیکر انسان بنایا۔ جب وہ انسان کسی مصیبت میں پھنسے اور آفت میں گرفتار ہو کر آواز دے کہ میری مدد کو پہونچ تو کیا خالق اس کی مدد نہ کریگا۔ کہا جا سکتا ہے کہ جب مظلوم ہی نہ رہا اور اس نے آنکھ سے ظالم کو سزا پاتے نہ دیکھا تو سزا کس کام کی لیکن میں عرض کردونگی کہ سزا فقط مظلوم ہی کا کلیجہ ٹھنڈا کرنیکو نہیں ہوتی بلکہ اس لئے بھی کہ دوسرے عبرت پکڑیں، آپ نے دنیا میں دیکھا تو نہیں مگر سنا ضرور ہو گا کہ ایک شخص نے بے رحمی سے ایک آدمی کو قتل کردیا مگر قتل کے بعد اس کو پھانسی ہوئی، یہ تو ظاہر ہے کہ مقتول نہیں دیکھ سکا مگر یہ پھانسی صرف اس لئے ہے کہ دوسرے دیکھیں اور سمجھیں کہ قتل کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

اماجان کیا آپ اس وقت کو بھولتی ہیں کہ جب آپ نے ایک بیوہ عورت کو اپنی حقیقی نند اور دو بچوں کی ماں کو بیگناہ بے قصور اس قدر ذلیل کیا کہ وہ خود بھی نہ رہیں اور اپنے دونوں بچوں کو اس دنیا میں اور اس گھر میں نہ رہنے دیا مجھے اقرار ہے کہ وہ بے بس اور لاچار تھیں ان میں آپ کے اور اباجان کے مقابلہ کی طاقت

نہ تھی۔ اتنی ہمت نہ ہو سکتی تھی کہ وہ آپ کے ارشاد اور ان کے حکم کے آگے ذرہ بھر بھی عذر کر سکتیں لیکن خالق کی مخلوق تھیں خدا کی بندی تھیں اور جان رکھتی تھیں ان کا وہ وقت اگر آپ غور کرتیں ان کی وہ حالت اگر آپا جان سمجھتے کچھ کہہ رہی تھی۔

انہوں نے ماہو کر اپنی ممتا چولہے میں رکھی اور آپ کی دہلیز پر اپنے دو لال قربان کئے۔ کیا ان بچوں کی جان اس ماں کی زندگی اتنی قیمت بھی نہ رکھتی تھی کہ خدا کا غضب آپ کے ایک بچہ کو آپ سے بچھڑوا دیتا۔

یہ جو کچھ ہوا پھوپی جان کی آہ اور معصوم بچوں کا صبر ہے مگر ایک بات اور ہے اور وہ بھی سن لیجئے۔ یہ تو اماجان دنیا کی سزا تھی ابھی آخرت کی سزا باقی ہے۔ اور خدا ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔

اتنا کہہ کر حشمت نے اپنی گفتگو اس فقرے پر ختم کی اب بھی جو ہو گیا سو ہو گیا آئندہ کے واسطے توبہ کیجئے! تو فیروزہ ضبط نہ کر سکی اور یہ کہہ کر بیٹی کی کمر میں ایک دو ہتڑا اس زور سے رسید کیا کہ اسے بھی مزہ آگیا۔

"تو اب تیرا نکاح کر دوں"

اس کے جواب میں حشمت خاموش رہی مگر دوہتڑا اس زور کا پڑا تھا کہ بلبلا گئی اٹھی اور اتنا کہا "اگر کیجئے تو کیا بیجا ہے۔ خدا کا حکم رسول کی خوشی"۔

اب تو فیروزہ آپے سے باہر تھی جس طرح ایک دیوانہ چاروں طرف چیختا چلاتا پھرتا ہے۔ انگنائی بھر میں بیٹیا بانہ ٹہلتی اور چلاتی تھی خدا نے بڑا فضل کیا کہ آج قدیر صبح کا گیا گیا کچہری کے ایسے مقدمہ میں پھنسا کہ شام تک فرصت نہ ہوئی ورنہ اگر وہ کہیں بیوی کا یہ رنگ دیکھ لیتا تو نہ معلوم حشمت کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

ادھر تو یہ گزر رہی تھی ادھر کچہری میں قدیر نہ معلوم کس تلاش میں ادھر ادھر

ٹہلتا پھر رہا تھا کہ ایک شخص نے جو اس کا پرانا دوست اور سید تھا سلام علیک کر کے کہا جناب میں تو آپ سے ملنے والا تھا

قدیر۔ فرمائیے ؟

سید فرماؤں کیا سنو تو کہوں بھی نہیں تو کیا فائدہ۔

قدیر سننے میں کیا اب سن نہیں رہا تو کیا کر رہا ہوں ؟

سید خالی سننے سے کیا ہوتا ہے وعدہ کرو کہ عمل کروں گا

قدیر یار کہو تو سہی،

سید۔ بات یہ ہے کہ تمہارے لڑکے کے صدمہ سے تو دوست دشمن کون ایسا ہوگا جس کا دل نہ کڑھا ہوگا مگر بھائی بات یہ ہے کہ تم نے بیوہ سے نکاح کی ایسی قسم کھائی ہے کہ دنیا تم پر ہنس رہی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ ضرور بہت اور بیٹی کا میر پڑا

قدیر۔ دنیا کا کیا ہے جو جس کے جی میں آئے کہے مگر تم کو ایسی بات زیبا نہ تھی،

سید۔ میں نے کیا غلط کہا کہ آپے سے باہر ہو گئے۔

قدیر اور اس سے زیادہ کیا کہو گے

سید، بھائی نہ کرو ہمارا کیا ہے۔

قدیر، اس سے تو اگر تم مجھے دو گالیاں دے لیتے تو اچھا تھا خدا کی قسم سید اگر ایسا کچہری میں سب کے سامنے دو جوتے مار لیتے تو اتنا صدمہ نہ ہوتا جتنا اس فقرہ کا ہوا۔

کچہری کے کام سے فارغ ہو کر قدیر گھر آیا تو پھر اسی فکر میں مستغرق تھا کہ آج تک کسی نے ایسی بات نہ کہی تھی اس سید کمبخت کو دیکھو تو کیا بات کہی ہے گھر پہنچا تو بیوی نے رو رو کر آنکھیں سجا رکھی تھیں،

قدیر اب رونے دھونے سے کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو گیا صبر کرو

فیروزہ۔ کیسا صبر مجھ پر تو نئی آپڑی۔

قدیر۔ اور کیا ہوا؟

فیروزہ۔ ہوتا کیا اسی مردار نے آگ لگا رکھی ہے۔

قدیر میری رائے میں تو اب یہی بہتر ہے کہ اس ناشاد کا خاتمہ کردوں، بلا سے پھانسی ہوگی ہونے دو، آخر تم نے دیکھ لیا جہاں آرا اس طرح جان پر کھیل گئی اور بچوں کو ذبح کردیا صرف عزت کیواسطے، آبرو کے آگے جان کیا حقیقت رکھتی ہے

فیروزہ، نہیں یہ تو ٹھیک نہیں یہاں کا بھی عذاب اور وہاں کا بھی۔

قدیر، تو کوئی اور ترکیب تم بتاؤ۔

فیروزہ، میں کیا خاک ترکیب بتاؤں میری رائے تو یہی ہے کہ اس چڑیل کو ایسا قید کرو کہ اکس نہ سکے۔

قدیر مگر خلق کا حلق کیونکر بند کروں۔

فیروزہ، بکنے دو، دنیا کو،

قدیر، کیا کروں،

(۱۹)

مغرب کی نماز کے بعد حشمت سجدہ میں اس طرح گڑگڑا رہی ہے ایک شریف لڑکی کا ماباپ کی بلا اجازت نکاح کرنا ایک بدنصیب عورت کا والدین کے گھر سے فرار ہونا ان کی آنکھ سے روپوش ہوجانا دنیا میں شاید پہلی مثال ہوگی، دنیا میں نہیں تو یوسف شاہیوں میں یقیناً۔

اے پاک بے نیاز میں گنہگار نہیں ہوں کام لیتی ہوں ان اختیارات سے جو تو نے ہر عورت اور ہر مسلمان کو دیئے۔ اور کام کرتی ہوں وہ جس کی اجازت تو نے دی۔ تیرے رسول نے دی،

نکاح ثانی گناہ نہیں تیرا حکم تیرے رسول کی اجازت مگر یوسف شاہی اس کو روا نہیں رکھتے بیوہ کی جو مٹی ان کے ہاں پلید ہوئی، پھوپی جان کا جو حشر ان کے ہاتھوں ہوا تجھ سے پوشیدہ نہیں، میں جانتی ہوں دنیا مجکو نکو بنائے گی۔ عزیز لعنت بھیجیں گے اور والدین کو میرے نام سے بٹہ لگیگا۔ احکم الحاکمین۔ کرتی ہوں وہ جو ہونا چاہئے اور کروں گی وہ جو ہونا چاہئے تھا،

اتنا کہہ کر حشمت سجدے سے اٹھی اس نے قلم دوات لی اور ایک پرچہ پر یہ چند سطریں لکھیں۔

ابا جان زندگی کی پہلی وداع وہ تھی جو آپ نے خود کی اور ہنسی خوشی ایک غیر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر اپنے گھر سے رخصت کر دیا۔ اور دوسری وداع یہ ہے جب میں شرع اسلام کے موافق عزیزوں کے تنگ خیال اور دنیا کی جھوٹی عزت پر لعنت بھیجکر اپنا نکاح خود کرتی ہوں یوں تو دنیا میں ہر بدتر سے بدتر مخلوق کتا اور گیدڑ بھی زندہ ہے اور اپنی دانست میں زندہ رہنے کا حق رکھتا ہے لیکن انسان جو اشرف المخلوقات ہے اپنی زندگی کی تہ میں ایک چیز پوشیدہ رکھتا ہے جس کا نام عزت ہے اور میرا خیال غلط نہ ہو اور یقیناً غلط نہیں تو عزت کے بعد انسان کا زندہ رہنا کھلی ہوئی غلطی اور علانیہ بے وقوفی ہے۔ انسان اور انسان میں بھی عورت وہ شے ہے جس کی ہستی صرف عزت سے وابستہ ہے اور جس کے بغیر عورت نہیں جانور اور جانور سے بدتر مخلوق ہے، یہ ہی تھا وہ جذبہ جس پر پھوپی جان اپنے بچوں سمیت قربان ہو گئیں لیکن یہ موت اگر آئندہ کے واسطے یوسف شاہیوں کو سبق دیتی اور وہ اپنی غلطی پر نادم اور ظلم پر شرمسار ہوتے تو بہت ہی اچھی تھی ایک یا تین نے مر کر آئندہ نسلوں کو موت کے منہ سے چھٹکارا دلوا یا لیکن۔ آنکھیں یہ دیکھتی ہیں۔ اور دیکھ چکیں کہ ان تین موتوں نے بھی آپ کے دل پر

مطلق اثر نہ کیا اور وہ جاہلانہ آن آج تک بدستور قایم ہے۔ گویا پھوپی جان اس سزا کی مستوجب نہیں میں خود اپنی جان نہایت خوشی سے اپنے باپ پر قربان کرتی اگر یقین ہوتا کہ میری قربانی میری دوسری بہنوں کے واسطے مفید ہوگی، مگر واقعات یاد دلا رہے ہیں کہ آپ کی رائے میں تبدیلی نہ ہوئی اور جس کھتے نے پھوپی جان اور انکے معصوموں کو جذب کر لیا۔ اسی میں میں بھی جا پڑونگی اب ضرورت یہ ہے کہ آپ کی آن کو جو شرع اسلام کے خلاف ہے دبچکا لگے آپ اپنی ندامت اور میں ارشاد باری کی حمایت اور رسول اکرم کی سنت اپنی آنکھوں سے دیکھوں،

میں جانتی ہوں کہ آپ اور آپ کے ہم خیال مجھ پر لعن طعن کرینگے لیکن وہ جنکو تھوڑی سی بھی عقل ہوگی اور اس سے کام لیں گے ضرور بالضرور میرے اس فعل کو سراہیں گے اور تعریف کریں گے۔

میرا نکاح معمولی نکاح نہیں یوسف شاہیوں میں نکاح ثانی کی بنیاد رکھنا ہے اور میں یہ تمام بدنامی صرف اسلئے گوارا کرتی ہوں کہ یوسف شاہی لڑکیاں بیوگی کی قید سے آزاد ہوں اور بابا پ دیکھ لیں کہ جس طرح چیونٹی دب کر کاٹنے کو تیار ہو جاتی ہے اسی طرح بیوہ لڑکیاں اپنے باپ بھائی سے نا امید ہو کر اپنا نکاح خود بھی کر سکتی ہیں،

حشمت

حشمت نے یہ پرچہ لکھ کر اپنے پلنگ پر ڈال دیا اور مختصر سا اسباب جس میں پہننے کے کپڑوں کے سوا اور کچھ تھا ساتھ لیا،

رات کے بارہ بجے ہارون اور اس کی بہن یعنی حشمت کی نند مرزا قدیر کے مکان کے آگے کھڑے دروازہ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

نند آج ڈولی میں نہیں صرف برقع اوڑھے ہے کہنے کو یہ دو آدمی ہیں مگر اس قدر خاموش ہیں کہ گلی میں بات تو درکنار سانس کی بھی آواز نہیں سنائی دیتی دفعتہً مکان کا دروازہ آہستہ سے کھلا اور حشمت برقعہ اوڑھے باہر نکلی تو ہارون نے آگے بڑھ کر اسکی گٹھری بغل میں لی اور تینوں خموشی کے ساتھ آگے بڑھے اپنے محلہ میں پہونچکر جب ان کو اطمینان ہوگیا تو ہارون بولا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ ہم بغیر کسی جھگڑے ٹنٹے کے کامیاب ہوئے

بہن - ابھی کیا ہے

بھائی - خدشہ کا وقت تو یہی تھا

بہن، ہاں مگر ابھی اطمینان نہیں ہوا،

بھائی، اب وہ کچھ نہیں کرسکتے۔

بہن، یوسف شاہی وہ غضب کے لوگ ہیں کہ افعی بھی ان سے پناہ مانگتا ہے مرزا صاحب کی عمر کچہریوں میں گذری۔ دیکھئے کیا مقدمہ کھڑا کرتے ہیں۔

بھائی - میں بھی تو تنذ نہیں ہوں کہ گھول کر پی جائیں گے تم نے اپنے میاں سے ساری کیفیت بیان کردی ہے۔

بہن، ان کو رتی رتی معلوم ہے بلکہ بھائی جان نے تو خود مجھ سے آج شام کو کہا تھا کہ مسلمانوں نے جس قدر ظلم بیوہ عورتوں پر کیا ہے۔ اس کے خیال سے تکلیف ہوتی ہے تم ضرور یہ کام کرو اور اس غریب کو ظلم سے بچاؤ خاطر جمع رکھو میں تمہارے ساتھ ہوں۔

بھائی - بس تو جب کوتوال شہر نے یہ کہا تو پھر ڈر کس کا۔

بہن میں تو ان لوگوں کی فتنہ پردازی سے ڈرتی ہوں۔

بھائی - تم تو بعض دفعہ بچوں کی سی باتیں کرتی ہو مطلق خوف نہ کرو،

رات کا بقیہ حصہ اسی قسم کی باتوں میں گزرا کبھی کوئی بات اطمینان کی سامنے آجاتی تھی اور کبھی ایسی جس سے تینوں کو تشویش سی پیدا ہو جاتی،

نماز صبح کے بعد محلہ کے چند آدمی جمع ہوئے اور قاضی صاحب نے آکر حشمت کا نکاح پڑھا دیا۔

(۳۰)

صبح کی نماز سے فراغت پانے کے بعد جب فیروزہ بیٹھی پان کھا رہی تھی اس کی نظر حشمت کے کمرہ پر پڑی تو پلنگ خالی نظر آیا۔ سمجھی کہ کسی ضرورت سے باہر نکل آئی ہوگی۔ بھول بسر گئی گھڑی دو گھڑی گھنٹہ دو گھنٹہ غرض دن کے نو بج گئے تو کمرہ میں پہنچی وہاں کیا رکھا تھا۔ باہر آئی ادھر دیکھا اُدھر دیکھا، یہاں آواز دی وہاں آواز دی۔ مگر کوئی ہوتا تو بولتا۔ اب تو بی فیروزہ کو بھی تارے دکھائی دینے لگے میاں کے کمرے میں پہنچی اور خاموش کھڑی ہو گئی۔

قدیر۔ خیر و عافیت

فیروزہ۔ کیا خیر و عافیت اور گل کھلا۔

قدیر۔ تم پہیلیاں نہ بجھوایا کرو۔ صاف کہو،

فیروزہ۔ صاحبزادی چلدیں۔

قدیر۔ کیا کہہ رہی ہو،

فیروزہ۔ ہاں سچ کہہ رہی ہوں ایسا منحوس سال بھی عمر بھر نہیں آیا ظہیر یوں گیا یہ یوں گئیں۔

قدیر۔ ادہر ادہر ہو گئی ہوگی تم خواہ مخواہ خود بھی پریشان ہوتی ہو اور دوسرے کے ہاتھ پاؤں پھلا دیتی ہو۔

فیروزہ۔ یہ تمہارے ہر وقت کے کچوکے اور نخچی ستم ڈھاتے ہیں آخر میاں نہ ہی

نہیں کہ دیکھ نہ سکی وہ سوئی نہیں کہ چھپ جائے تم آکر دیکھ لو۔

قدیر۔ مگر کمال ہو گیا۔

فیروزہ۔ میری ہی آنکھوں پر رات کو پردے پڑ گئے کوئی ایک بجا ہوگا میں نے اس کو انگنائی میں ٹہلتے دیکھا۔ مجھے کیا خبر کہ یہ غضب ٹوٹنے والا ہے پڑ کر سو گئی وہ چلتی بنی۔

قدیر۔ ہائے ظالم باپ دادا کی سارے خاندان کی ناک کٹوا دی اب یوسف شاہی منہ دکھانے کے قابل نہ رہے خدا کی قسم گلا گھونٹ دیتا زہر دیدیتا مگر یہ وقت نہ دیکھتا ہائے ہائے ظالم بے حیا بے غیرت۔ یہ ستم یہ غضب کنبہ تو کیا محلہ بھر میں ایسی مصیبت کبھی نہیں آئی، اب میں کیا منہ لیکر کسی سے بات کرونگا اور کیا میں اس لائق رہ گیا کہ کسی سے بات کر سکوں،

فیروزہ کان میں بھنک تو اتنے دنوں سے پڑ رہی تھی، یہ سارا فساد اسی مردار کا ہے جسکو اس روز گھر سے نکالا۔

قدیر، اس کا تو دوسرا نکاح ہو گیا،

فیروزہ ہاں یہ ہی پٹی اس نے اس کو دی،

قدیر سینہ پر ہاتھ مار کر برا بھلا کہتا اٹھا۔ گھر کا کونہ کونہ دیکھا بھالا لاچار ہو کر اسکے کمرہ میں گھسا تو پلنگ پر پرچہ ملا اٹھایا پڑھا اور بیوی سے کہا۔

لو سنو تمام عقدہ حل ہو گیا۔ اب کیا کسر رہ گئی۔ یہ کہہ کر قدیر نے حشمت کا پرچہ شروع سے آخر تک فیروزہ کو سنایا۔

اب دونوں میاں بیوی کی طیش میں یہ حالت تھی کہ اگر حشمت سامنے ہوتی تو نہ معلوم کچا کھا جاتے چیلوں کو بوٹیاں دیتے لیکن اب اس کے سوا کر ہی کیا سکتے تھے کہ جو کچھ منہ میں آیا کہتے رہے اور بالآخر نوبت یہاں تک پہونچی کہ بیوی نے میاں اور میاں نے بیوی کو قصوروار قرار دیا۔

فیروزہ نے باوجود اسکے کہ وہ یوسف شاہی خاندان سے تھی میاں کی بات اور سسرال کی آن قایم رکھنے میں جو جدو جہد کی قابل داد ہے لیکن اس کا نتیجہ قدیر نے جب یہ دیا کہ اسکے بھاگنے کی ذمہ دار تم ہو اور تم کو علم تھا۔ مگر تم نے مجھے خبر نہ کی تو فیروزہ غصہ میں کانپنے لگی اور تمام بدن میں آگ لگ گئی وہ پہلے تو میاں کا منہ دیکھکر خاموش ہوگئی اور اس کے بعد کہا۔

اور اگر یوں ہے تو یوں سہی کرو میرا کیا کرتے ہو۔

قدیر کروں گا یہ کہ جان سے مار ڈالوں گا۔

فیروزہ مجھے اب زندگی کی ضرورت نہیں دونوں بچوں کے بعد مجھے زندگی کو کیا آگ لگانا ہے

قدیر۔ آخر تم اتنا تو بتاؤ کہ کدھر گئی؟

فیروزہ جب میں نے بھگوایا اور تم کو خبر نہ کی تو اسے پتہ کیوں بتاؤں؟

قدیر، یہ وقت فضول باتوں کا نہیں ہے آخر قیاس بھی تو کوئی چیز ہے میری رائے تو یہ ہے کہ اسی کی نند سے پتہ چلیگا۔

فیروزہ۔ پتہ لگا کر کروگے کیا ننھی نہیں بچہ نہیں کہ مار کر چمکار کر لے آؤ اور سارے محلہ کو خبر ہوگی وہ سات آئیگی نہیں کیوں اپنی بات کھوئی ابھی تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔

(۲۱)

بیگم! یہ تمہارا شمامۃ العنبر اور حناسب سے بہتر ہے مگر تم نے کبھی انگریزی خوشبوؤں کا استعمال نہیں کیا ہندوستانی تو اس قدر تیز ہوتی ہیں کہ بعض دفعہ ان کی کثرت سے سر میں درد ہونے لگتا ہے، انکی اول تو خوشبو ہلکی اور اچھی دیکھو کس قدر ہیں یہ لو موتیا دیکھو کیسی نازک خوشبو ہے۔ لو تم جلدی کپڑے بدلو، گاڑی تیار کھڑی ہے۔

نصارہ بھابی جان لیجئے میں تو تیار ہو کر آگئی آپ نے ابھی تک کپڑے بھی نہیں بدلے سر کھولے بیٹھی ہو لاؤ میں جلدی سے چوٹی گوندھ دوں۔

حشمت مجھے باغ چلتے ہوئے ذرا ڈر لگتا ہے کہیں راستہ میں ابا جان نہ مل جائیں،
شوہر، مل جائیں گے تو کیا ہرج ہے مل جائیں اسی بہانہ سے ملاقات ہو جائیگی
حشمت۔ واہ وہاں تو آفت پڑ رہی ہے اسدن سے چولہے میں آگ تو سلگی نہیں
شوہر آخر کب تک؟
نند بھابی جان آج دریا پر چلیں گے
بھائی پہلے باغ چلی چلو اسوقت کا کھانا تو وہیں کھائیں گے وہاں سے پھر دریا پر چلیں گے
حشمت۔ نہیں پہلے دریا پر چلو لوٹتی دفع باغ میں ٹھیر ینگے
شوہر، تم اس وقت اس قدر خاموش کیوں ہو وہ گلابی دوپٹہ اوڑھ ہو
حشمت، خاموش نہیں مجھے اباجان سے ڈر لگ رہا ہے۔ سنا ہے انکی حالت
بہت خراب ہے اور اماجان بھی غصہ میں آگ بگولا ہو رہی ہیں۔
شوہر، اچھا تم وہ گلابی دوپٹہ نکالو، اس کی کچھ پرواہ نہ کرو،
حشمت، کونسا گلابی رنگ کہتے ہو،
شوہر، وہی بنارسی،
حشمت، وہی تو نکالا ہے
نند، بھابی جلدی کیجئے دیر ہو رہی ہے۔

(۲۲)

یوسف شاہی خاندان میں اس سے پہلے بیوہ کا نکاح جبسے خاندان اس لقب سے ممتاز ہوا کبھی نہ ہوا تھا اور انکی پارسائی تمام شہر میں مشہور تھی حشمت کا نکاح معمولی بات نہ تھی کنبہ بھر میں تہلکہ مچا دیا لطف یہ کہ لوگ مرثیے کی طرح جمع ہو ہو کر افسوس کرتے تھے، ظہیر کے چالیسویں میں بھی یہ ماتم پرسی نہ ہوئی ہوگی جو حشمت کے نکاح میں ہوگئی قدیر کے زخم پر یہ عیادت ایک قسم کا نمک تھی اور وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ جان سے

پاجائے مگر حشمت کو ایک دفعہ اس کے کرتوت کا مزہ چکھا دوں شہر کی خبر چھپی نہیں رہتی پتہ لگ گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مہر شرع محمدی قرار پایا۔ اس خبر نے اور بھی رہا سہا کوئلہ کر دیا، سوچتے سوچتے ایک یہ تدبیر سمجھ میں آئی کہ فرضی دعویٰ کر دونوں میاں بیوی کو ایسا ذلیل کروں کہ جیل خانہ میں سڑ سڑ کر مرجائیں،

عمر مقدمہ بازی میں گزری تھی، دوست آشنا بھی اسی رنگ کے تھے، قدیر کا خیال کرنا تھا کہ چاروں طرف سے تائید ہوئی اور ایک فرضی شوہر قرار دیکر غریب شوہر پر اغوا کا دعویٰ دائر کر دیا گیا۔

ہارون لاکھ تھانہ دار کا بھائی تھا۔ مگر قدیر جیسے چالباز کو نہ پہنچ سکتا تھا کوتوال صاحب نے ہر چند کوشش کی مگر عدالت کو واقعات سے بحث نہ تھی بحث صرف مسل سے تھی میاں بیوی بیخبر بیٹھے تھے اور نہال نہال، کہ گرفتاری کا وارنٹ پہونچا نقد ضمانت کا بندوبست باوجود سخت کوشش کے جلد نہ ہو سکا اور دونوں گرفتار ہو کر حوالات میں پہنچے

یہ وہ کامیابی تھی جس نے قدیر کو باغ باغ کر دیا جسوقت دونوں میاں بیوی گرفتار ہو کر عدالت میں آئے مرزا قدیر اور اس کے دوست مارے خوشی کے بغلیں بجا رہے تھے، ہمکو دوستوں اور عدالتوں کے معاملوں سے کام نہیں افسوس یا حیرت سمجھو صرف قدیر کی حالت پر ہے" باآں شور اشوری دیا باایں بےنمکی" یا تو وہ غیرت کہ جان نکلجائے اور بیوہ کا نکاح نہ ہو یا یہ بےعزتی کہ باپ اپنی آنکھوں سے لڑکی کو بےپردہ گرفتار سینکڑوں آدمیوں کے مجمع میں عدالت کے سامنے دیکھے اور خوش ہو۔

قدیر سے زیادہ فیروزہ کی حالت تعجب انگیز ہے کہ وہ بھی میاں کی خوشی میں برابر کی شریک تھی اور جیسے یہ سنا کہ دونوں میاں بیوی گرفتار ہو گئے عید تھی ظہیر کی موت کا صدمہ دل سے فراموش تو کیا ہوتا مگر بظاہر کبھی بھول کر بھی اسکو یاد نہ کرتی، شہر میں یا ہر شخص یوسف شاہی اور مرزا قدیر کا بھائی نہ تھا، بہت سے تھے جو قدیر کی اس

غلطی پر لعن طعن کرتے مگر وہ اپنی بیحیائی میں ایسا مگن تھا کہ ذرہ بھر پرواہ نہ کرتا پہلی پیشی کو جب اہلکاران پولیس دونوں ملزموں کو لیکر چلے ہیں۔ وہ جوش مسرت میں آگے بڑھا اور قریب جاکر کہا۔

"تجھ ناہنجار لڑکی نے اپنے کرتوتوں کا انجام دیکھ لیا۔ اگر اب بھی اپنے گناہ پر نادم ہوا اور توبہ کرے تو میں موجود ہوں۔ تیرا قصور معاف کر دوں گا۔ مگر اس مردود کو تو انشاءاللہ سڑا سڑا کر ماردنگا۔ اور مزہ چکھاؤں گا کہ عمر بھر یاد رکھے گا"

دونوں خاموشی کے ساتھ قدم اٹھاتے تھے شوہر کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی لیکن اس کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلتا تھا قدیر نے پھر چلاکر کہا۔

"وہ تھانہ داری اور ضلعداری سب رکھی کی رکھی رہ گئی لڑکی کو بہلا پھسلا کر قبضہ میں کیا اب اس کا نتیجہ بھگتا۔ اور ابھی کیا ہے ابھی دیکھو کیا دکھاتا ہوں تو سہی جو دس برس سے زیادہ کو بھیجوں"

اس کے جواب میں بھی دونوں ملزم خاموش تھے اور تماشائیوں کا جم غفیر دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ دونوں یہ ملزم اور پوری جماعت مع اپنے وکلا کے کمرہ عدالت میں حاضر ہوئی

قدیر کا دوست نصیر فرضی شوہر تھا اس نے حلفیہ بیان کیا کہ بیوہ ہونیکے بعد اس کی شادی قدیر نے مجھ سے کردی تھی چونکہ یہ شخص اس کا دلدادہ ہے اسلئے بہن کی وساطت سے اغوا میں کامیاب ہوا۔

سب سے پہلے مرزا قدیر کی شہادت ہوئی اور اس نے نہایت زور سے دوست کی تائید کی اس کے بعد اور شہادتیں ہوئیں اس قدر پکی کہ ملزموں کا وکیل منہ تکتے کا تکتا رہ گیا۔

قدیر اور اس کی جماعت وہ لوگ تھے کہ جن کی عمریں اس ٹھیک ہتھکنڈے میں بسر ہوئیں، نہ معلوم کتنے بیگناہوں کو جیل خانے پہنچوایا اور کتنے مجرموں کو رہائی

دلوائی عدالت ان کے گھر کی انگنائی تھی کہ صبح کھانا کھایا اور چلی کچہری وکیل مخالف نے ہر چند جرح میں کوشش کی کہ شہادت میں اختلاف ہو جائے۔ مگر ایسے سچے اور مضبوط تھے کہ قدم جگہ سے نہ سرکا،

آج ضمانت کا بندوبست ہو چکا تھا وکیل ملزمان نے درخواست کی مگر شہادت کا اثر عدالت کے دل پر اتنا جم چکا تھا کہ درخواست نامنظور ہوئی اور پھر دونوں میاں بیوی حوالات بھیجدیے گئے۔

قدیرا اور جماعت قدیر نہیں خود عدالت نے اور چوری چھپے نہیں علی الاعلان حشمت سے کہا کہ اگر وہ رہائی چاہتی ہے تو باپ کے ساتھ شوہر کے گھر چلی جائے۔ ملزم اپنے جرم کی سزا پائے گا لیکن حشمت نے حقارت سے اور نفرت سے اس تجویز کو ٹھکرا دیا۔

مقدمہ کی پیشیاں ہوتی رہیں اور ہر پیشی قدیرا اور اس کی جماعت کی خوشی کا وزن بڑھا دیتی تھی اور اور ہر حشمت اور اسکے شوہر کی امید رہائی کو کم کرتی تھی اشاید چوتھی پیشی پر فرد جرم لگا دی گئی۔ اب صفائی کی شہادت کا وقت تھا اور دونوں میاں بیوی اچھی طرح جانتے تھے کہ انکی بریت کی شہادت دینے والا خدا کے سوا کوئی نہیں جسوقت فرد جرم کے بعد دونوں عدالت سے چلے ہیں۔ اسوقت احاطۂ عدالت میں حشمت شوہر کے قدموں میں گر پڑی اور کہا۔

تم نے مجھ جیسی محسن کش عورت سے نکاح کا مزہ چکھ لیا یہ اذیت جو میرے حقیقی باپ کے ہاتھوں پہنچی اسکی ذمہ دار میں خود ہوں میری روح کانپ رہی ہے۔ جب میں سوچتی ہوں اور کہتی ہوں کہ ایک بیگناہ انسان میری وجہ سے حوالات کی سختیاں دن رات بھگت رہا ہے ما اس سے پہلے کہ مجھ جیسی ناہنجار لڑکی جنتی فنا ہو جاتی۔ اور باپ اس سے پہلے کہ مجھ جیسی نافرمان عورت کو جیلخانہ بھیجدیتا گلا گھونٹ دیتا جس طرح یوسف شاہی خاندان کی میں پہلی بیوہ ہوں جس نے دوسرا نکاح کیا۔ اسی طرح اس خاندان کی میں

پہلی بیوی جس کی بدولت اس کا شوہر اس عدالت میں گرفتار ہو کر قید ہو چھری تکا بوٹی کردیتی
مشقت میرے ہاتھ پاؤں توڑنی اور رسوائی میرے خاندان کی آبرو ملیا میٹ کردیتی
لیکن یہ نہ ہوتا کہ ایک بیوی کی بدولت اس کا شوہر ایسی سخت سزا پاتا جس کو دیکھکر
بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اسوقت تک کی کارروائی جو کچھ ہوئی انجام کا حال
اچھی طرح سنا رہی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ فیصلہ ہم دونوں میاں بیوی میں فراق
ابدی کردیگا لیکن میرے آقا میں اسوقت اس سر کو قدموں پر رکھ دونوں ہاتھ جوڑ کر
اور ان قدموں کی بلائیں لیکر عرض کرتی ہوں کہ خدا کا واسطہ میرا قصور معاف کردینا
فیصلہ کتنی ہی دور ہو مگر موت اب بالکل قریب ہے لیکن مجھ سے بڑھ کر نامراد
مجھ سے زیادہ ناشاد مجھ سے بڑھ کر بدتر بیوی مجھ سے ارذل عورت کون ہوگی اور ہوسکتی
ہے جس کی وجہ سے ایک بے قصور انسان کو یہ دن دیکھنا پڑا۔"

شوہر کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی، تاہم اس نے رکتے رکتے حشمت کا سر جھک کر اٹھایا
اور سب کے سامنے اپنے سینے سے لگا کر کہا۔

"جس صداقت اور خلوص کا ثبوت تم نے اس امتحان میں دیا وہ دنیا کی دوسری
بیویوں کے واسطے ایک سبق ہے۔ تم نے اس تکلیف اور اذیت میں کہ رہائی یا آسانی
ممکن تھی اپنے آرام اور راحت کو میرے آرام پر قربان کیا۔ حالانکہ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن میرے
تعلقات چار دن کے ہیں۔

حق یہ ہے کہ اس موقع پر میں تمہارا شکریہ جس قدر ادا کروں تھوڑا ہے۔ موت اگر
اس قید میں نوشتۂ تقدیر ہے تو مضائقہ نہیں ہم نے جو کچھ دیکھا وہ سچائی کے راستہ میں
اس لئے ہمکو ہراساں نہ ہونا چاہئے اور یقین کرنا چاہئے کہ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

قیدیا اور اسکے حوالی موالی یہ منظر اپنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے حشمت کی التجا اور
اس کا گڑگڑانا دو چار نے نہیں سینکڑوں آدمیوں نے سنا اسکی تقریر اس قدر موثر تھی کہ بعض

کے آنسو نکل پڑے اور کئی ایک نے وہیں کھڑے کھڑے قدیر پر لعن طعن شروع کر دی۔

یہ سب کچھ منظور رہتا مگر اب بھی قدیر کے دل کی بھڑاس نہ نکلی تھی اور مونچھوں پر تاؤ دیکر با آواز بلند کہہ رہا تھا "دس برس سے کم نہ پہونچاؤں گا۔"

صفائی کی شہادت میں کوتوال غریب نے اور نیز تھانہ دار کے عزیزوں نے جو کچھ امکان میں تھا کوشش کی اور ہر چند زور لگایا مگر کجا مرزا قدیر شہر کا گز گلی گلی اور کوچہ کوچہ سے واقف آدمی آدمی اور بچہ بچہ سے آشنا کجا، کجا یہ غریب پردیسی شہادت ناکافی ہوئی اور فیصلہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔

داروغہ جیل کی عنایت سے حشمت کو جیل خانہ میں قلم دوات میسر آئی اور اسوقت جو آخری خط اس نے مسلمانوں کے نام لکھا اس کی ایک نقل یہ ہے۔

آج مسلمانوں میں مجھ جیسی سینکڑوں ہزاروں رانڈ عورتیں اپنے کلیجہ پر پتھر رکھے زندہ موجود ہیں، یہ وہ عورتیں ہیں جن کا سہاگ اجڑ جانے کے بعد زندگی کی ہر خوشی ان کے واسطے حرام ہوئی اور وہ صرف اس لئے زندہ ہیں کہ جانوروں کی طرح اپنی زندگی ایک تنگ و تاریک گوشہ میں بسر کردیں یہاں تک کہ موت ان کو قبروں میں لیجا کر سلادے،

یہ اس قوم کی کیفیت ہے جس نے خاک عرب سے اٹھنے والے ایک پیغمبر (صلعم) کی صدا پر لبیک کہی اور یہ دعوے کیا کہ مسلمانوں سے زیادہ کسی مذہب نے دنیا میں عورت کی حمایت نہیں لی،

اگر منہ پر آنکھیں موجود ہوں اور پہلو میں دل زندہ ہو تو مسلمان ذرا ان بیوہ عورتوں کی حالت زار دیکھیں جنکو مردوں کے مظالم نے دنیا کی ہر نعمت سے محروم کر دیا۔ وہ آنکھیں جو ایک بیوہ عورت کو دیکھتی ہیں اور یہ جانتی ہیں کہ رواج نے اس کو اس قدرتی انعام سے محروم کر دیا جو قدرت نے ہر مخلوق کو مساوی تقسیم کیا پھوٹ جائیں اگر اس کی مصیبت پر دو آنسو بہائیں۔

کیا رونے کا وقت نہیں اور کیا مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنے آنسوؤں میں ہر اُس شخص
کو شریک کروں جو کلمہ توحید کا پڑھنے والا ہے کہ کتے کوے بلی بندر تازہ ہوائیں کھائیں
پھولوں کی خوشبو سونگھیں اور بیوہ صرف بیوہ ان نعمتوں سے صرف اسلئے محروم ہو کہ
کہ خاندان کی آن اور مسلمانوں کی شان میں فرق آتا ہے،

ہادیٔ برحق کو رسول اللہ سمجھنے والے مسلمان ذرا آنکھ ملا کر بات کریں اور ایمان سے
کہیں کہ کیا جہالت کا زمانہ جب معصوم لڑکیوں کے گلے گھونٹ دئے جاتے تھے اس سے
بہتر تھا کہ وہ بڑی ہو کر اور بیوہ بن کر ان مظالم سے دور رہتی تھیں۔

اسلئے کہ ایک بیوہ عورت خدا اور خدا کے رسول کے موافق نکاح ثانی کرتی ہے آج دنیا
اس کی دشمن ہے دیکھنے کے قابل ہے، یہ وقت کہ آدھی رات کو جیل خانے کی دیواریں
کو آغوش میں اور سرزمین محبس اس کو گود میں لئے اس کی حالت کا مرثیہ پڑھ رہی ہے حقیقی
ماں جس نے نو مہینے پیٹ میں رکھا پالا پوسا خون جگر پلا کر اور منہ کا نوالہ کھلا کر جوان کیا آج
اس کی جان کی دشمن ہے اور سگا باپ جس نے ہمیشہ کلیجہ کا ٹکڑا کہا اسوقت خون کا پیاسا ہے
صرف اس لئے کہ وہ دوسرا نکاح کرتی ہے اور ان اختیارات سے کام لیتی ہے جو شرع
اسلام نے اس کو عطا کئے۔

مسلمانو! ایک بیوہ کی صدا ہوا میں گونجتی ہوئی تمہارے کان میں پہنچتی ہے۔ یہ
بے سود اور بیکار نہیں کچھ معنی رکھتی ہے جب کسی بیوہ عورت پر نظر پڑے اس درخواست
کو تازہ کر لینا اور سمجھ لینا کہ قدرت کی وہ بدنصیب ہستی جو تمہارے مظالم سے کلیجہ مسوس کر رہ گئی
اور آج تمہاری قید میں تمہارے بس میں اس جانور کی طرح دن پورے کر رہی ہے،
جو پنجرے میں سر ٹپک رہا ہے۔

بہنیں بیٹیاں بھاوجیں بہوئیں یہ وہ رانڈیں ہیں جن کے منہ پر اسلام نے حیا
کی مہر لگا دی مگر ان کے کلیجے جہاں آرا پھوپی کی طرح آہوں کا دھواں نکال رہے ہیں

آئے گا اور ضرور آئیگا وہ وقت جب یہ دہواں خدا کا غضب بن کر نازل ہوگا، اور بتادیگا کہ یہ ہے وہ چنگاری جس نے جلیل القدر سلطنتوں کو تاراج و برباد اور بغداد جیسے شہر کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا،

مسلمان بھائیوں بزرگوں اور بچوں اس بیوہ بدنصیب کا سلام قبول کرو جو آج باپ کے جھوٹے دعوے کی بدولت حراست میں بیٹھی تمکو یہ پیام پہنچا رہی ہے۔ اسکی عزت برباد ہوئی اسکی رسوائی گلی گلی کوچہ کوچہ ہوئی اور آج دنیا کے کروڑوں مسلمانوں میں ایک متنفس ایسا نہیں جسکی آواز اس کی حمایت میں اٹھتی اور زبان سے کلمہ حق نکالتی

(۲۳)

مقدمہ سے ایک روز قبل جب وہ رات سر پر آئی جس کی صبح ادہر دو میاں بیوی کی تمام توقعات کا فیصلہ کرے خوشی کے مارے فیروزہ اور قدیر دونوں کی باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ سزا کا یقین ان ہی دونوں کو اور ان کی جماعت کو کیا ہر شخص کو تھا، صبح کے وقت بجائے دس بجے کے آٹھ ہی بجے سے قدیر اور اس کے احباب کچہری پہونچ گئے عجیب چہل پہل تھی بیسیوں آدمی مقدمہ کا نتیجہ دیکھنے کے واسطے آگئے تھے، دس بجے کے قریب جب ملزم عدالت میں آئے تو قدیر نے آگے بڑھ کر حشمت سے کہا،

"تو نے دیکھا کہ شریف لڑکیاں اپنی خوشی سے جو کچھ کرتی ہیں اور بزرگوں کی صلاح نہیں لیتیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آج وہ وقت ہے کہ تو ایک مدت کے واسطے جیل خانہ کی سزا بھگتنے کیلئے ہم سے جدا ہوتی ہے۔ یہ سب تیرے اپنے اعمال کی سزا ہے اور تو اس کی سزاوار ہے کہ جیل خانہ میں سڑتی ہوئی مرجا"

اس کا جواب حشمت نے کچھ نہ دیا لیکن اس کا شوہر مسکرایا اور کہا جس عدالت کا فیصلہ ہماری سزا ہوگی یہ حقیقی نہیں اصلی عدالت ایک اور حاکم کی ہے، جہاں ہم اور آپ دونوں دیر سویر حاضر ہونے والے ہیں، ہمارے قید کے اور آپ کے آزادی کے

دن بسر ہو جائیں گے اور بہت جلد موت ہم سب کی قید اور آزادی ختم کر دیگی لیکن جب
وہ وقت آئیگا اور حقیقی فیصلہ ہوگا اسوقت کا نتیجہ ختم ہونے والا نہیں ہمیشہ رہنے والا ہے"
جس طرح آپ اس فانی فیصلہ کے منتظر ہیں اسی طرح ہم اس حقیقی فیصلہ کے
جو ایسی قوت کا ہوگا جس کے روبرو دنیا کی ہر طاقت سرنگوں ہے۔

قدیر اس کا جواب سنکر ہنسا دوستوں نے قہقہے لگائے اور کمرہ عدالت
سے ملزموں کی طلبی ہوئی۔

گیارہ بجے تھے کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہ یہ الفاظ دیواروں نے اپنی گود میں لیے
"مسماۃ حشمت جہاں تین سال اور ہارون کو سات سال قید سخت کی سزا دیجاتی ہے"
قدیر کھلکھلاتا ہوا باہر نکلا۔ دوستوں میں مبارک سلامت کی دھوم ہوئی اور
دونوں ملزم مجرم کی حیثیت سے بھیجدئے گئے

یوں تو بہت سے آدمی تھے جن پر اس واقعہ کا اثر خاص طور پر ہوا لیکن کوتوال
صاحب نے یہ دو کام کئے کہ ایک حشمت کا پیام شائع کر دیا۔ دوسرے اسکا مرافعہ دائر کر دیا

(۲۴)

شاید اس سے زیادہ بیحیائی کا منظر انسانی آنکھیں مشکل سے دیکھیں گی کہ بیٹی کو
جیلخانہ پہونچا کر باپ نے ایک جشن منایا۔ دوستوں کی دعوتیں ہوئیں کھانے کھلائے
مٹھائیاں اڑیں ناچ رنگ ہوئے مگر جس طرح زندگی کی تمام خوشیاں اور آرام کا اثر
بتدریج فنا ہوتا ہے چند روز بعد قدیر کی خوشی اور حشمت کا رنج کم ہونا شروع ہوگیا۔

دو مہینے سے زیادہ ہوگئے کہ حشمت اور اس کا میاں دونوں قید کی سخت مصیبتیں
جھیل رہے ہیں تیسرے مہینے کے دو دن گزرے تھے کہ عدالت اپیل سے ایک حکم جیل خانہ
کے نام پہونچا کہ تیرہ تاریخ کو حشمت جہاں برقع اوڑھا کر حاضر کیجائے،
قدیر کو حکم پہونچا کہ وہ خود اور مدعی شوہر دونوں حاضر ہوں اس کے ساتھ ہی ہارون

بھی طلب کیا گیا۔ اس طلب نے تمام شہر میں کھلبلی مچا دی قدیر اور اسکی جماعت سب حیران تھے کہ عدالت اپیل میں یہ نئی کارروائی کیسی مسل پر فیصلہ ہونا چاہیئے، وکلانے بھی ان احکام کو تعجب سے سنا

فیصلہ کے روز ایک جم غفیر مسلمانوں کا عدالت میں تماشہ دیکھنے آیا جب پانچوں آدمی جمع ہو گئے تو جج نے کہا "مسل سے معلوم ہوتا ہے کہ حشمت جہاں ہمیشہ ڈولی اور برقع میں حاضر ہوئی اس لئے یہ ظاہر ہے کہ اس کا چہرہ عدالت میں کسی غیر مرد نے نہیں دیکھا وہ بیان کرتی ہے کہ میں نے اس شخص کو جو شوہر بتایا جاتا ہے اس سے پہلے کبھی صورت نہیں دیکھی یہ تین برقع پوش عورتیں اور موجود ہیں اور یہ ایک قسم کا ایک جوڑا ہے جو یہ تینوں پہنے ہوئے ہیں حکم دیا جاتا ہے کہ حشمت جہاں یہ جوڑہ پہن کر پشت کے کمرہ میں حاضر ہو اور مدعی اس کی شناخت کرے۔

اب قدیر اور مدعی تینوں کے ہوش اڑ گئے فرضی شوہر نے آجتک حشمت جہاں کی صورت نہ دیکھی تھی جب چاروں عورتیں جمع ہوئیں تو جج صاحب فرضی شوہر کو لیکر اندر پہنچے۔

فرضی شوہر نے چاروں پر نظر ڈالی مگر چونکہ صورت سے واقف نہ تھا بغلیں جھانکنے لگا۔ جب جج صاحب نے زیادہ زور دیا تو قدموں پر گر پڑا اور کہا۔

"میں فرضی شوہر ہوں میں نے حشمت جہاں کی صورت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی میں نہیں پہچان سکتا"

معاملہ طے ہو گیا دونوں ملزم رہا ہو گئے اور عدالت نے حکم دیا کہ مرزا قدیر اور فرضی شوہر پر مقدمہ چلایا جائے۔

اسوقت حشمت جہاں جج صاحب کے قدموں میں گری اور عرض کیا کہ ایک مسلمان عورت کے واسطے اس کا خود قید ہو جانا خواہ وہ کتنی ہی بے گناہ ہو اس سے بہت

بہتر ہے کہ اس کی وجہ سے اس کا باپ جیل خانے جائے۔

آسمان پھٹ پڑے اور میں مرجاؤں، زمین شق ہو اور میں سما جاؤں اس سے پہلے کہ باپ کو قید میں بھیجدوں

جج صاحب! جہاں اتنا کرم کیا کہ فیصلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوا وہاں یہ احسان اور کیجیے کہ میرے ابا جان کو اس مصیبت سے رہائی دلوا دیجیے"

جج صاحب نے حشمت جہاں کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور کہا "کچھ شک نہیں کہ ایک نیک بیٹی کا کام یہی ہونا چاہیے۔ جو تو نے کیا تو وہ بے مثل لڑکی ہے جس پر تیری قوم ہمیشہ فخر کرے گی۔ تیری سفارش منظور کرتا ہوں اور ان دونوں کو چھوڑتا ہوں"

حشمت جہاں باپ کے قدموں میں گری اور کہا

میرے قصور معاف کیجیے اور یہی خوشی میرا یا تھا اس شوہر کے ہاتھ میں دیدیجیے

قدیر کی آنکھ سے زار و قطار آنسو بہ رہے تھے اور اس نے خواہش کی کہ حشمت گھر چلیے۔ مگر حشمت نے کہا۔

" ابا جان اب یہ منہ عزیزوں کے دکھانے کے قابل نہیں۔"

ایک دفعہ حشمت اور باپ کے قدموں پر گری اور

" خدا حافظ "

کہہ کر شوہر کے ساتھ روانہ ہوگئی۔

تمت